ایک علمی تحریک کا دینی، علمی، فکری، ادبی اور اصلاحی ترجمان

ماہنامہ ندائے اعتدال علی گڑھ

مئی ۲۰۱۷ء

ایڈیٹر

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

فہرست مضامین

ا۔	قرآن کا پیغام	لغویات سے اجتناب	ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی	
۲۔	اداریہ	فکری زاویے:	مدیر	
		ماہ رمضان ''ماہ قرآن'' کے طور پر گزاریے		۳
		اردوغان کے ناقدین		۵
		مسلم پرسنل لاء بیداری مہم		۱۱
۳۔	تبلیغ کے جھروکوں سے	یہ نصیب اللہ اکبر، لوٹنے کی جائے ہے	محمد فرید حبیب ندوی	۹
۴۔	گوشۂ رمضان	رمضان سے متعلق احکام ومسائل	تلخیص وپیشکش: فرید حبیب ندوی	۱۶
۵۔	// //	تراویح: احکام ومسائل	محمد قمر الزمان ندوی	۲۵
۶۔	خاص تحریر	میانمار- ایک مطالعہ (آخری قسط)	شان محمد ندوی	۳۳
۷۔	نقطۂ نظر	نصاب میں تبدیلی ایک جائزہ	مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی	۴۱
۸۔	تربیت اولاد	تربیت اولاد- چند اہم گوشے (قسط-۱)	ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی	۵۴
۹۔	فکر اسلامی	مفکر اسلام- ایک مطالعہ (قسط-۱۵)	ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی	۴۴
۱۰۔	زبان و تہذیب	اردو کا رواج ٹیپو سلطان کی فوج میں (آخری قسط)	ڈاکٹر محمد حمید اللہ/ پیشکش: محمد شعیب ندوی	۴۷
۱۱۔	تعارف و تبصرہ	نقوش افکار	ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی	۶۱
		اکیسویں صدی کا چیلنج اور ملی تعلیمی ایجنڈا		۶۲
۱۲۔	آخری صفحہ	عصری تعلیم اور علماء مدارس کا کردار	م-ق-ن	۶۴
	شعروادب	رباعیات	مولانا رئیس الشاکری ندوی	

❁❁❁

نوٹ: مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ عدالتی چارہ جوئی علی گڑھ کی ہی عدالت میں ہوسکتی ہے۔

ادار یہ

فکری زاویے

رمضان ''ماہ قرآن'' کے طور پر گزاریے

رمضان تربیت، مجاہدہ نفس، رحمتوں کے نزول، برکتوں کی بارش اور نیکیاں کمانے کا موسم بہار ہے، دن بھر پیٹ کے روزے کے ساتھ، دل، دماغ، ہاتھ پاؤں، آنکھ، کان اور سب سے بڑھ کر زبان کے روزے کا جو حکم دیا گیا اس کے نتیجہ میں اگر ایک طرف بقیہ گیارہ مہینوں کے لیے اس میں تربیت کا نظم ہے تو دوسری طرف یہ مہینہ نیکیوں سے اپنا خزانہ بھر لینے کا ہے، جب مالک کون و مکاں نے اپنی رحمتوں کا خزانہ کھول دیا تو آپ بھی بھر بھر کے لینے سے نہ چوکیے، فرائض وواجبات کی پابندی کیجئے، نوافل کا اہتمام کیجئے، تلاوت کیجئے، ہر وقت اللہ اللہ، سبحان اللہ، الحمدللہ کی مالا جپنے، زکوۃ کو بوجھ نہ سمجھیے بلکہ خدا کی رحمت سمجھیے، کل مال کا حساب کیجئے، مستحقین تک اسے پہنچایئے اور اس طرح پہنچایئے دل رب کے شکر کے جذبات سے امڈ آئے، خدایا تیرا شکر ہے کہ تو نے اس لائق بنایا کہ آج ہمارے مال میں تیرے دوسرے بندوں کا حق بھی نکل رہا ہے، وفی أموالهم حق معلوم للسائل والمحروم (معارج:۲۴-۲۵) (ترجمہ: اور جن کے مال میں ایک طے شدہ حق سائل و نادار کا ہے)۔ صدقات کا اہتمام کیجئے، اللہ کے بندوں کو خوش کیجئے، ضرورت کے ماروں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کی ضرورتیں پوری کیجئے اور اپنے رحیم آقا سے مغفرت کا پروانہ حاصل کیجئے، یہ سب اگر آپ اخلاص کے ساتھ کر لے گئے تو یقین مانیے کہ دل کی دنیا بدل جائیگی، اور اصل سودا تو یہی ہے کہ دل بدل جائے، رمضان کے روزوں، تراویح و اعتکاف یا دیگر عبادات کے کتنے اثرات آپ پر مرتب ہو رہے ہیں، آپ کی وجہ سے معاشرہ پر کیا اثر پڑ رہا ہے اسی سے اپنی عبادتوں میں اپنے اخلاص اور قبولیت کا اندازہ کر لینا چاہیے۔

یہاں ایک بات خاص طور پر عرض کرنا ہے، حضورﷺ معصوم تھے، گناہوں سے مبرا تھے، لیکن عبادات کا بہت اہتمام کرتے تھے، نمازیں ایسی طویل پڑھتے کہ پاؤں پر ورم آجاتا، اماں عائشہ صدیقہؓ عرض کرتیں آپ کیوں اس قدر مشقتیں برداشت کرتے ہیں آپ تو بخشے بخشائے ہیں، فرماتے کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ رمضان کا آپ بہت اہتمام فرماتے، شعبان میں ہی رمضان کے استقبال کی تیاری شروع کر دیتے۔ ذرا نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیاری اور اہتمام اور جذبۂ عبودیت پر غور کیجئے اور یہ طے کر لیجئے کہ اس بار رمضان کو تربیت و مجاہدہ نفس کے لیے گزارنا ہے، عبادتوں کا خوب اہتمام کرنا ہے اور رمضان کو ''ماہ قرآن'' کے طور پر اس طرح گزارنا ہے کہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ قرآن سب کے لیے ہے اور رمضان سے اس کا بڑا گہرا رشتہ ہے۔ شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن هدی للناس وبینات من الهدی والفرقان (بقرہ:۱۸۵) (ترجمہ: رمضان کا مہینہ ہی ہے جس میں قرآن پاک اتارا گیا، جو تمام انسانوں کے لئے ہدایت نامہ ہے، اور ہدایت اور حق و باطل اور صحیح

وغلط میں تفریق کے واضح دلائل پر مشتمل ہے)۔ یاد رکھیے اگر اس حقیقت کو سمجھ کر آپ نے قرآن کو پڑھا اور لوگوں کے سامنے پیش کر دیا تو آپ کو بھی عزت وعظمت کی سند ملے گی اور فی الحقیقت عالمی حیثیت عطا کر دی جائے گی، اسی قرآن کو دے کر تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمی حیثیت دی گئی، تبارك الذی نزل الفرقان علی عبده لیکون للعالمین نذیرا (فرقان:۱) (ترجمہ: بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ پر "فرقان" - حق وباطل میں تمیز کرنے والی کتاب - اتاری)۔

لوگوں کے سامنے اس کی وضاحت کیجئے کہ قرآن کو رمضان میں ہی لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اتارا گیا، اور اسے جس رات میں اتارا گیا اسے لیلۃ القدر کہا گیا، اس رات کی فضیلت میں پوری سورہ نازل کی گئی انا انزلناه فی لیلة القدر (قدر:۱) (ترجمہ: ہم نے (قرآن عظیم) کو شب قدر میں اتارا ہے)۔ "ہم نے اس کو سال بہ سال کے تقدیری فیصلوں کی رات میں اتارا ہے"، اور یہ رات رمضان میں ہے، روایات کے مجموعہ پر غور کیجئے تو غالب گمان یہ ہے کہ آخری عشرہ میں ہے اور اس میں بھی ۲۷ ویں شب میں ہونے کا زیادہ امکان ہے، اسی سے پتہ چلتا ہے کہ رمضان اور قرآن کا رشتہ بہت مضبوط و مستحکم ہے۔

لوگوں کو بتائیے کہ رمضان محنت، جدوجہد، مجاہدہ نفس اور جہاد کا مہینہ ہے، اسی مہینہ میں حضورؐ نے گوشۂ عافیت سے نکل کر تپتے صحرا میں بدر کے مقام پر کفار سے دو دو ہاتھ کیے تھے، آپ عہد مکی کے ماحول میں ہیں تو عہد مکی کے حکم وجاهدهم به جهادا کبیرا (فرقان:۵۲) (ترجمہ: اور اس قرآن کے ذریعہ ان سے زبردست جہاد کریں) کا منظر پیش کیجئے، قرآن کو لے کر جہاد کیجئے، اس کے ذریعہ جدوجہد کیجئے، اس کو پڑھیے پڑھائیے اور اس قدر پڑھیے کہ یتلو علیهم (بقرہ:۱۲۹) (ترجمہ: جوان کو تیری کتاب کی آیتیں پڑھائے) کا سماں بندھ جائے، اس کو سمجھیے اور سمجھائیے اور اتنی کوشش کیجئے کہ ویزکیهم (بقرہ:۱۲۹) (ترجمہ: اور ان کا تزکیہ فرمادے) کے مطالبے پر عمل ہو جائے، اس کی تعلیم کیجئے، اس کے حلقے لگائیے، اس کی محفلیں سجائیے اور اس کے نور سے دلوں کو منور، دماغوں کو روشن کرنے کی تحریک چلائیے اور اس حد تک گزر جائیے کہ ویعلمهم الکتاب والحکمة (بقرہ:۱۲۹) (ترجمہ: اور جوان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے) کا منظر گھر گھر، گلی گلی، محلے محلے نظر آئے، اگر قرآن تذکیر کے لیے آیا ہے وذکر بالقرآن من یخاف وعید (ق:۴۵) (ترجمہ: تو آپ قرآن سے ان لوگوں کو نصیحت کیجیے جو اللہ سے ڈرتے ہیں) تو اس رمضان میں تذکیر بالقرآن اور تبلیغ قرآن کا حق ادا کرنے میں لگ جائیے۔ یا ایها الرسول بلغ ما انزل إلیك من ربك وإن لم تفعل فما بلغت رسالته والله یعصمك من الناس إن الله لا یهدی القوم الکافرین (مائدہ:۶۷) (ترجمہ: اے پیغمبر! آپ کی طرف پروردگار کے پاس سے جو نازل کیا گیا ہے، اسے (لوگوں تک) پہونچا دیجئے، اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو پیغمبری کا حق ادا نہیں کیا، اللہ آپ کی لوگوں سے حفاظت فرمائے گا، اللہ کافروں اور منکروں کو توفیق ہدایت نہیں دیتا)۔

اگر رمضان کا قرآن سے رشتہ ہے، تو اس رشتہ کو نبھائیے، اگر رمضان تربیت کا لاثانی و بے مثال نظام ہے تو اس میں نازل کی گئی کتاب کے بے نظیر انقلابی پیغام کو سمجھیے اور لوگوں تک پہنچائیے، قرآن سے روح کو تازہ کیجئے، وہ نسخۂ شفا ہے تو اس سے دل کا علاج کیجئے، اس کی تلاوت وتعلیم وتبلیغ کو مہم بنا لیجئے اور قرآن کی تحریک چھیڑ دیجئے نام ونمود اور افطار کی سیاسی دعوتوں سے بچیے،

قرآن کی مجلس اور قرآن کی دعوت کا اہتمام کیجئے، قرآن کا پیغام انسانیت، پیغام محبت ورحمت اور پیغام امن وسلامتی عام کیجئے، اس کے معاشرتی، عائلی اجتماعی انفرادی قوانین واعمال ہر ہر شخص تک پہنچایئے، اس کے بیان نعمت ورحمت سے لوگوں کو شوق دلایئے، وعید وعذاب کے تذکروں کو چھیڑیے اور خوف دلایئے، خوف ورجا کے قرآنی نسخے استعمال کیجئے، یادرکھیے!!!

قرآن تازہ تھا، تازہ ہے، اور تازہ رہے گا، اسی کے ذریعہ اللہ قوموں کو عروج بخشتا ہے اور اسی کو چھوڑ دینے پر ذلیل وخوار اور نیست ونابود کر دیتا ہے، قرآن کا حرف حرف اور لفظ لفظ زندہ معجزہ ہے، اس کی نغمگی، اس کی تلاوت، اس کے معانی، اس کی شریعت، اس کے احکامات سب معجزہ ہیں، قرآن دنیائے انسانیت کا سب سے بڑا اور زندہ معجزہ ہے، انبیاء کو جو معجزات دیے گئے وہ ان ہی کے ساتھ رخصت ہو گئے، مگر ہمارے نبی کو بشکل قرآن جو معجزہ دیا گیا وہ ایک زندہ جاوید معجزہ ہے، بس اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اسی طاقت وقوت اور یقین کے ساتھ اسکو پیش کیا جائے جیسے نبیؐ اور آپ کے شاگرد پیش کیا کرتے تھے، جس کو سن کر لوگوں کے دل مسخر اور دماغ مسحور ہوجاتے تھے، وہ اپنے اوپر قابو نہیں رکھ پاتے تھے، جس قدر وہ سنتے جاتے تھے آہیں بھرتے جاتے تھے اور ایسی آہیں کہ دریا خشک کر جائیں، آج بھی دنیا قرآن کی اس معجزاتی کیفیت سے واقف ہے، **آپ طے کر لیجئے کہ اس رمضان میں ہماری سحر، افطار، دن رات سب کی ابتدا تلاوت قرآن سے اور اختتام تلاوت قرآن پر، بغیر کسی لاؤڈ اسپیکر کے ہر دکان، ہر بازار، ہر مسجد اور ہر گھر میں تلاوت وتذکیر بالقرآن کا اس قدر اہتمام کیجیے کہ کوئی ساعت سننے سے محروم نہ رہ جائے، ختم قرآن کی تقریب میں کوئی خرافات نہ کیجیے، مگر تڑپ وخلوص اور دلسوزی کے ساتھ تلاوت کرنے والوں سے درخواست کیجئے اور انھیں بلایئے، حکمت ومصلحت کے ساتھ برادران وطن کو ضرور قرآن کی مجلسوں بالخصوص ختم قرآن کی تقریب میں شریک کیجیے، اور اگر وہ شریک ہوں تو پرسوز تلاوت کے بعد نپے تلے قرآنی ونبوی انداز میں توحید ورسالت وآخرت اور اسلام کے پیام اخوت ومساوات اور امن وسلامتی پر گفتگو کیجیے۔**

آج دنیا بہت سے دن Days ہفتے Weeks اور مہینے Months مناتی Celebrat ہے، ذرا اس بار آپ رمضان وقرآن کے اس حقیقی تعلق کو نبھایئے اور اس رمضان کو ''ماہ قرآن'' کے طور پر منانے کا عزم کیجئے، پھر دیجئے فضاؤں کو اپنی تلاوت سے، پورے کر دیجئے تذکیر بالقرآن کے تقاضے اور پہنچادیجئے سب تک قرآن کی دعوت، کم از کم اپنے آس پاس کے انسانوں پر قرآن کی حجت قائم کر دیجیے، امید ہے کہ ہماری قسمت بدل جائے اور دکھی دنیا کا مقدر سنور جائے، اور اس قرآنی مہم کے ذریعہ ملت کی کشتی پار لگ جائے، رہا اپنا بدلہ، اپنا صلہ تو وہ کہیں جائے گا ہی نہیں، کیوں کہ وہ رب کریم کے پاس محفوظ رہے گا۔

اردوغان کے ناقدین:

رجب طیب اردوغان کے ناقدین عام طور پر وہ لوگ ہیں جن کو بہر حال اسلام پسند نہیں کہا جا سکتا، یا جو سیاست میں اسلام کی نمائندگی کو مذہبی جنون سے تعبیر کرتے ہیں، جن کے نزدیک اسلام مسجد ومدرسہ تک محدود ہے، باقی زندگی بھر کے گناہ وہ

شب برات یا افطار پارٹیوں کے موقع پر معاف کرا لینے کے قائل ہیں، اب تو بات حد سے گزر گئی، پہلی مرتبہ صدر بنے ٹرمپ اور نریندر مودی کا موازنہ ترکی کے اس مرد آہن سے کیا جانے لگا جس نے اپنی عمر چوطرفہ لڑائی لڑتے ہوئے گزار دی، ٹرمپ کو آئے ہوئے ابھی دن ہی کتنے گزرے ہیں اور پھر دنیا جانتی ہے کہ امریکی صدر کا انتخاب اس صہیونی لابی کی مرضی اور حکمت عملی کا مرہون منت ہوتا ہے جس کے قبضہ میں پوری دنیا ہے اور امریکہ پر تو اس کا براہ راست تسلط ہے، اور جہاں تک مودی جی کا تعلق ہے تو یقیناً وہ گجرات ماڈل کے سہارے اقتدار تک پہنچے، لیکن گجرات جا کر حقیقت دیکھی جا سکتی ہے، ان دونوں کے ساتھ موازنہ یوں بھی درست نہیں کہ ہندستان ہمارا وطن آج بھی صنعتی اور معاشی ترقی میں بہت پیچھے ہے، جبکہ امریکہ میں ترقی کے باوجود دولت کا ارتکاز عام بات ہے، ترکی اس وقت ترقی یافتہ ممالک کی فہرست میں بڑے بڑوں کو آنکھیں دکھا رہا ہے، وہ معاشی پستی کے جس معیار سے نکل کر ۱۵ سالوں میں یہاں تک پہنچا ہے یہ سب کو معلوم ہے، یہ بھی مسلم ہے کہ اردوغان نے کبھی بھی مذہبی جنون کو اپنا انتخابی ہتھیار نہیں بنایا، ہاں انہوں نے وقتاً فوقتاً اپنی مذہب پسندی کا ثبوت ضرور دیا، پارلیمانی نظام کو صدارتی نظام میں تبدیل کرنے کے لیے ریفرنڈم میں اس قدر نزدیکی فتح اس بات کی شاہد ہے کہ باوجود تمام تر کوششوں کے اردوغان ابھی بھی ترکی کی لبرل ذہنیت کو تبدیل کرنے میں ناکام رہے ہیں، جن لوگوں نے ریفرنڈم کو مشکوک قرار دیا افسوس ہے کہ وہ ثبوت و دلائل پیش کرنے سے قاصر رہے، طرفہ تماشہ یہ دیکھیے کہ بیلٹ کے مقابلے ای وی ایم سے ہمارے یہاں الیکشن ہو، اور دھاندلی کی بازگشت امریکہ میں بھی سنی گئی، کھلے ہوئے ثبوت وشواہد بھی پیش کر دیے گئے، سب سے بڑا ثبوت خود برسر اقتدار پارٹی کے ایک ناموروزیر کی ویڈیو بن گئی، اور پھر فتح بھی یک طرفہ رہی، لیکن داد دیجیے درباری میڈیا کو، وہ ترکی میں معمولی فتح کو تو مشکوک دکھاتا رہا مگر یہاں کی واضح دھاندلی پر پردہ ڈالنے میں کامیاب رہا۔ اور یہ بھی خوب رہا کہ شور مچانے والے شور مچاتے رہے، الجزیرہ کے علاوہ عرب میڈیا بھی پیش پیش رہا لیکن اس دوران یورپی یونین وغیرہ نے تسلیم کر لیا کہ ریفرنڈم درست بنیادوں پر ہوا ہے اور نتیجہ آنے میں کسی طرح کی ہیر پھیر کا شبہ نہیں۔

ان ناقدین پر حیرت ہے، کیوں کہ انہوں نے صدارتی نظام کے لیے کرائے گئے ریفرنڈم پر اس قدر واویلا مچایا گویا، اس وقت دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے، آخر امریکہ، کناڈا، ایران اور دیگر ممالک کے صدارتی نظام کو جب تانا شاہی یا ڈکٹیٹر شپ نہیں قرار دیا جاتا، بلکہ دنیا فوجی بغاوت کر کے واقعی آمرانہ نظام نافذ کرنے والوں کو تسلیم کر لیتی ہے، یہی نہیں بلکہ ان آمروں کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے خطاب کا موقع دیا جاتا ہے، دنیا کی قسمت کے مالک ان ڈکٹیٹروں کی پشت پناہی کرتے ہیں، بہت سی خاندانی اور شاہی حکومتیں نہ صرف تسلیم شدہ ہیں بلکہ ڈکٹیٹر شپ کی بدترین مثال ہیں، لیکن ایک شخص رائے عامہ کے ذریعہ اپنے اختیارات کی توسیع چاہتا ہے تو وہ ڈکٹیٹر قرار دیا جاتا ہے، پھر اس سے نفرت کی تحریک چلائی جاتی ہے، ہم نے دورہ ہند کے موقع پر جامعہ ملیہ کے ایک گروہ اور جے این یو کے طلبہ کو اسی رجحان سے مغلوب پایا، واقعہ یہ ہے کہ اس وقت دنیا کے تمام وسائل پر صہیونی لابی مسلط ہے، اس کی مدد سے چند ممالک دنیا کی قسمت کے مالک ہیں، انہیں یہ کب گوارا کہ کوئی اور ایسا پیدا ہو جو آنکھوں میں

آنکھیں ڈال کر بات کر سکے، اردوغان نے اپنی مضبوط معیشت کے بل بوتے یہ مقام حاصل کیا ہے کہ وہ کھلے عام دنیا کی نا انصافیوں بالخصوص اقوام متحدہ کی کمزوری اور ویٹو پاور استعمال کرنے والے ممالک پر سخت ترین تبصرہ کرتے ہیں۔

ہم بارہا واضح کر چکے ہیں کہ اردوغان کسی معصوم شخصیت کا نام نہیں، نہ ہی ہم ان کے تقوی کے دعویدار ہیں، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیا میں اس وقت کوئی ایسا حکمراں نہیں جس سے یہ پوچھا جائے کہ آپ کی کامیابی کا راز کیا ہے تو وہ پوری صفائی اور جرات سے یہ ایماندارانہ جواب دے کہ ''میں چوری نہیں کرتا''، اس وقت عالمی منظرنامہ پر اسلام مخالف ہوائیں بلکہ آندھیاں چل رہی ہیں، لیکن اسی پرخطر اور زہر آلود فضا میں اردوغان کی دانشمندانہ پالیسیوں نے انہیں ''قائد ملت اسلامیہ'' کے مقام تک پہنچا دیا ہے، اسلام مخالف فضا میں کسی غیرت مند، صاف گو اور اسلام پسند و ایماندار حکمراں کے جینے کی گنجائش کہاں، چنانچہ فوجی بغاوت کے ذریعہ اردوغان کے قتل اور ان کے نظریاتی ہمنوا اور رفقاء کو پابند سلاسل کرنے اور ترکی کو پھر ۲۵ سال پیچھے لے جانے کی تیاری مکمل کر لی گئی تھی، مگر یہ حکمراں کی نیکیاں اور محبوبیت تھی جو ان کے کام آئی، یہاں موٹی عقل والوں اور لمبی زبان والوں سے ایک سوال یہ ہے کہ اگر یہ بغاوت کامیاب ہوگئی ہوتی تو اردوغان، ان کی پارٹی اور ان کے حامیوں کے ساتھ کیا سلوک ہوتا؟؟، یہ سوال بھی تلخ ہے اور اس کا جواب بھی تلخ ہے، یہ بے چارے کیا جواب دیں گے جنہوں نے مصر کی فوجی بغاوت کو تسلیم کیا، جمہوری طرز پر احتجاج کرنے والوں کو تہہ تیغ کیے جانے پر خاموش رہے، صدر مرسی اور ان کے رفقاء کی سزائے موت پر تماش بین رہے، افسوس تو اس پر ہے کہ اس دوغلے پن، اور دورخی پالیسی پر نام نہاد مسلمان اور خود ساختہ مفکرین بھی حواس باختہ ہو جاتے ہیں اور واویلا کرتے نظر آتے ہیں، کچھ نہیں تو سوشل میڈیا کے ذریعہ ہی نیند حرام کر دیتے ہیں، ان سوالوں میں یقیناً وزن ہوتا اگر مصر میں مہذب دنیا سیسی کو تختۂ دار پر چڑھواتی اور مرسی کو کرسی اقتدار پر بحال کرتی، مگر کھیل تو وہی کھیلتے ہیں جو شور مچاتے ہیں، مغرب کو یقین ہونے لگا تھا کہ مصر میں اعتدال پسندوں کا استحکام، اردوغان کی مضبوط معیشت اور شام میں اسلام پسندوں کی کامیابی ایک مضبوط اسلامی بلاک کے قیام کی تمہید ہے، جو کسی طرح بھی اسرائیل کے مفاد میں نہیں تھا، چنانچہ جو ہوا وہ ظلم کی ایک دردناک داستان ہے، مصر میں غیر آئینی، غیر اخلاقی اور غیر مہذب عمل پر دنیا خاموش تماشائی رہی، شام کے قتل عام پر دنیا بھر میں حقوق انسانی کے علمبرداروں کا خون سفید ہو گیا اور آنکھوں کا پانی مر گیا، ترکی پر مہاجرین شام کا اضافی بوجھ ڈال دیا گیا، برسوں کی محنت کے بعد کردوں کو قومی دھارے Main Stream میں لانے والے اردوغان کے مدمقابل پھر سے کھڑا کر دیا گیا، اور بالآخر فوجی بغاوت بھی کروادی گئی۔ جس کے نتیجہ میں ترکی داخلی انتشار کا شکار ہوا، اس کی معیشت کو بھی ایک جھٹکا لگا، یقیناً اب تک اردوغان نے اپنے سیاسی مخالفین پر کریک ڈاؤن کر رکھا ہے، لیکن یہ کوئی نیا کام نہیں باغیوں کے ناخن تو جمہوریت پسند بھی تراش دیا کرتے ہیں، جمہوریت پسندوں کے ہیرو اتاترک نے کیا سلوک کیا تھا، جمہوریت کا علمبردار امریکہ پوری دنیا میں کیا کر رہا ہے، ہندستان، سعودی عرب، مصر اور دیگر ممالک میں سیاسی مخالفین کے ساتھ کیا رویہ اپنایا جاتا ہے، خدا کا شکر ہے کہ اردوغان نے اب تک پراسرار طریقہ پر لوگوں کو غائب نہیں کرایا ہے بلکہ گرفتار کیا ہے، افسوس ہے کہ میڈیا نے اب تک گرفتاری کے اعداد و شمار تو دکھائے ہیں لیکن تفتیش کے

بعد رہائی پانے والوں اور اپنے عہدوں پر بحال ہونے والوں کی فہرست نہیں جاری کی ہے، یہ جو کچھ ہوا ہے وہ تاریخ کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ صحیح ہوا ہے، ہر ملک میں ہوتا ہے اور ہر حکومت باغیوں کے ساتھ یہی کرتی ہے، گولنی تحریک کی طرف سے جو کارروائی کی گئی اس کے بعد حفظ ما تقدم کے طور پر کارروائی ناگزیر تھی، جو ہوئی اور ہو رہی ہے، یہی دانشمندی کا تقاضہ اور تاریخ کا درس ہے، اگر اردوغان حکومت اس موقع پر صلح پسندی اور سلمیت کے نعرے لگاتی اور کارروائی کرنے میں مصلحت پسندی یا بزدلی دکھاتی تو شاید ترکی کی جدید تاریخ کا یہ بدترین اقدام ہوتا، یہی مخالفین کرتے ہیں بلکہ وہ اس سے آگے اور حد سے آگے نکل جاتے ہیں، اردوغان نے تو صلح کی متعدد کوششیں کیں بالخصوص بات چیت سے نظریاتی اختلاف کو رفع کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، مگر جب مخالفین نے ہی ثبوت فراہم کر دیا اور برہنہ ہو کر میدان میں کود پڑے تو اب انہیں چھوڑ دینا سیاسی خودکشی ہوگی، یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اب تک سیاسی قیدیوں کے ساتھ نہ غیر انسانی سلوک کے ثبوت ملے ہیں اور نہ ہی ناانصافی کی مثالیں بایں طور قائم کی گئیں کہ دو تین ساعتوں کے بعد ان کو تختہ دار پر لٹکا دیا جائے، جیسا کہ جمہوریت کے ٹھیکیدار کرتے ہیں اور دنیا تماشہ دیکھتی ہے، اس کے برخلاف وہاں باقاعدہ تفتیشی مراحل طے کیے جا رہے ہیں، مقدمے چل رہے ہیں اور مقدموں کے فیصل ہونے سے قبل ملزموں کو مجرم نہیں قرار دیا گیا ہے۔

اردوغان کے ناقدین جس مذہبی جنون کا حوالہ دیتے ہیں پہلے تو ان کو یہ واضح کرنا چاہیے کہ مذہبی جنون ہے کیا ''بلا''؟؟، واقعی جس کو مذہبی جنون قرار دیا جاتا ہے یا جا دیا سکتا ہے تو وہ مذہب مخالف مہم تو ہو سکتی ہے لیکن مذہبی جنون نہیں، اس لیے کہ اس کی بنیادیں سیرت وسنت اور قرآنی تعلیمات پر قائم نہیں، خوارج کی دینداری کا بڑا شہرہ تھا لیکن قرآنی ونبوی مزاج کے خلاف دینداری بھی مہلک قرار پائی، ہمارے نزدیک مذہبی جنون وہ ہے جسے حضرت صدیق اکبرؓ نے أینقص الدین و أنا حي کہہ کر ہمیشہ کے لئے ایک حد اور گائیڈ لائن پیش کر دی، مذہبی جنون کی تشریح اگر سمجھنا ہے تو رستم کے دربار میں حضرت ربعی بن عامرؓ کے تاریخی جملوں کو سمجھنا ضروری ہے، لیکن اردوغان کے ناقدین کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ اسلام کے نام اور اسلام کے نظام اور اسلام کے شعائر کے تئیں احترام وعقیدت کو بھی برداشت نہیں کر سکتے، وہ سیکولر روایات پر اسلامی اقدار اور لبرل رسموں پر اسلامی شعائر کو قربان کر دینے کا ہنر جانتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو جہاد افغان میں افغانیوں کی مدد کرنے والے، اور اسی طرح رشین بلاک کو توڑ کر دنیا کو سرخ انقلاب کے مظالم سے نجات دلانے والے، پاکستان کو ایٹمی قوت عطا کرنے والے جنرل ضیا کو پاکستان کی متشدد تنظیموں کا بانی سمجھتے ہیں، جب کہ واقعہ اس کے خلاف ہے اور حقائق اس تجزیہ کو منہ چڑھاتے ہیں، اب تک جو واقعی مبنی برحقیقت تجزیے آئے ہیں ان کے پیش نظر یہ واضح ہو چکا ہے اور اس کے دلائل پایۂ ثبوت کو پہنچ چکے ہیں کہ دنیا بھر میں جہاں بھی پرتشدد واقعات، دہشت گردانہ وارادات اور فوجی بغاوتیں ہوتی ہیں ان کے پیچھے صرف اور صرف دنیا کو یرغمال بنا کر رکھنے والی طاقتیں ہوتی ہیں، یہی کھیل پوری دنیا میں کھیلا جا رہا ہے، غیر انسانی اور شدت پسندانہ کارروائیاں کسی مسلمان کا طریقہ عمل ہو ہی نہیں سکتیں، ہاں کچھ مسلمانوں کو خرید لیا جائے، ذہنی طور پر ان کو گمراہ کر دیا جائے، یا ایسے حربے اپنائے جائیں کہ وہ ذہنی طور پر حکم آقا کے غلام

ہو جائیں تو یہ اور بات ہے۔

اردوغان کے دو کارنامے ہیں، ایک یہ کہ انہوں نے یورپ کے قلب میں ترکی کو سب سے مضبوط معیشت عطا کر دی ہے، دنیا کو تشدد کی راہ پر ڈال کر اسلحہ کی منڈی چلانے والے ممالک اب اس سے پریشان ہیں کہ ترکی صنعتی ترقی کرتے کرتے اسلحہ منڈی میں بھی جگہ بنا رہا ہے، ورلڈ بینک کو قرضے دینے کی پوزیشن میں پہنچ چکا ہے، اقتصادی ترقی میں اس نے جو تسلسل قائم رکھا ہے وہ دنیا کے آقاؤں کو ایک آنکھ نہیں بھاتا، اردوغان کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ عدنان مندریس نے اپنی جان کا نذرانہ دے کر ترکی میں اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی جو تحریک شروع کی تھی اس کو باقی اور جاری رکھا ہے، اور ایسے ماحول میں جاری رکھا ہے جہاں عربی کا عین نکالنے پر سزا نافذ واجب ہوتی تھی، بلکہ اب وہ یہاں تک پہنچ گئے ہیں کہ مدارس کی تعداد اور ان کے طلبہ کے لیے مواقع میں توسیع کر رہے ہیں، عربی کو بحیثیت زبان اسکولوں میں داخل کر رہے ہیں، وہ صاف کہتے ہیں کہ ترکی کی تاریخ صرف ۹۰ سالوں پر محیط نہیں بلکہ صدیوں پر مشتمل ہے، چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ ترک اسکولوں میں خلافت عثمانیہ کی تاریخ بھی پڑھائی جائے گی، یہی نہیں بیزنطینی کھنڈرات کے قریب ''پانوراما'' میں 3D ٹکنالوجی کے ذریعہ فتح قسطنطنیہ کا منظر دکھانا ایک گہری سوچ کی طرف اشارہ کرتا ہے، یہی ڈرامہ نجم الدین اربکان نے طلبہ کے ذریعہ اسکول میں پیش کیا تھا تو جیل میں ڈال دیے گئے تھے، ظاہر ہے کہ یہ فکری اور ذہنی تبدیلی کے لیے ایک بہتر وسیلہ ہے جس کو استعمال کیا گیا ہے،

عقل بھی محو تماشہ ہوتی ہے جب ایک طرف کچھ لوگ دوغلی پالیسیوں کے حامی نظر آتے ہیں تو دوسری طرف ایک طبقہ احیائے خلافت کے پرزور مطالبات دوہرانے لگتا ہے، اور سوال پر سوال داغنے لگتا ہے، کہ یہ کیوں نہیں کیا اور وہ کیوں نہیں کیا؟ وہ خارجہ پالیسی کو نشانہ بناتا ہے، اس طبقے کے لوگ اس سے صرف نظر کر جاتے ہیں کہ اردوغان نے اپنوں کے نفاق اور غیروں کی دشمنی اور دونوں کی سازشوں کے نرغے میں ہوتے ہوئے بھی ترکی کو مادی اور مذہبی بہر دو اعتبار اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے کہ اب لوگ کچھ اور ہی امید لگانے لگے ہیں اگر چہ میری نظر میں اس طرح کی امیدیں یا تو قبل از وقت اور عجلت پسندی میں کیے گئے تجزیہ کے مرادف ہیں یا پھر فی الحال یہ محض خام خیالی ہے، البتہ خلافت کی تمنا کوئی معیوب چیز نہیں، خدا نے اس امت کو پیدا ہی اسی لیے کیا ہے، اس کو خلافت ارضی سونپے جانے کا تذکرہ تو دیگر آسمانی کتابوں میں بھی کیا گیا، جب نبی کریمؐ کو رحمت للعالمینی سے سرفراز کیا گیا تو اس پہلے یہ تذکرہ بھی کر دیا گیا ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر أن الأرض یرثھا عبادی الصالحون، إن فی ھذا لبلٰغا لقوم عٰبدین، وما أرسلنٰك الا رحمة للعٰلمین (انبیاء:۱۰۵-۱۰۷) (ترجمہ: اور ہم نے نصیحتوں کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا کہ زمین کی وراثت (اقتدار اعلیٰ اور خلافت ارضی) میرے بندوں میں سے ان کو ملے گی جو نیک وصالح اور باصلاحیت اور اہل ہوں گے، اس میں عبادت گذاروں کے لیے ایک پیغام ہے، اور ہم نے آپؐ کو تمام طبقات کے لیے رحمت بنایا ہے،) اسی قرآن اور اس قرآن کے شارح رحمت للعالمین پر ہمارا سیدھا سادہ ایمان ہے، ہم سیکولرازم کے سایہ میں سانس تو ضرور لیتے ہیں لیکن قرآن پڑھ کر ایمان بھی تازہ رکھتے ہیں، اگر چہ ہنوز دلی وو راست مگر اقبال کی زبان میں یہ تمنا ہر

مسلمان کی ہے اور ہونی چاہیے۔

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

اس میں کوئی شک نہیں کہ اب تک اردوغان نے جو کچھ کیا ہے وہ معاشی ترقی کے سہارے ہی کیا ہے، جس کے سبب ترکی کے سیکولر عوام بھی اردوغان کو ووٹ دینے سے پیچھے نہیں رہتے، اس کی شہادت مختلف ذرائع سے ملتی رہی ہے، یہ کہنا کہ اردوغان کے حامی بھی اسلامی نظام اور خلافت کے نام سے چڑھتے ہیں مضمون نگار کی درایت کو مشکوک کرتا ہے، راقم کو بھی ترک پارلیمنٹ کے ڈپٹی اسپیکر سے شیخ امین سراج کی مجلس اور پھر ایک کانفرنس کی افتتاحی نشست میں ملاقات کا موقع مل گیا تھا تو راقم نے یہی سوال کیا تھا، کہ اب ترکی میں کتنے لوگ نظام اسلامی کا احیاء چاہتے ہیں تو انہوں نے بڑے پراعتماد لہجہ میں کہا تھا کہ ۷۰ سے ۸۰ فیصد لوگ، یہی نہیں بلکہ ان سے تمام تر گفتگو اسلامی نظام اور تبدیلی کے حوالے سے ہوئی تھی، نائب ترک وزیر اعظم کے حوالے سے ایک مضمون نگار نے لکھا ہے کہ وہ اسلامی نظام اور خلافت کے نام سے بدک گئے، ہم کو تجربہ ہوا کہ نائب وزیر اعظم کے سامنے شیخ ابوالحسن علی ندویؒ کا نام لیا گیا تو آنکھوں میں چمک دیکھی گئی اور پھر تقدیر واحترام کے مظاہر کا مشاہدہ ہوا۔

ترکی میں صدارتی نظام کے لیے ریفرنڈم کے مخالفین نے اپنی تمام تر کوششیں کرلیں مگر اکثریت میں آنے سے نہ روک سکے، واقعہ یہ ہے کہ اگر دنیا کی تمام طاقتیں اور گولنی تحریک اور اس کے کارندے مخالفت میں نہ کھڑے ہوتے تو یہ کامیابی اور نمایاں ہوتی، بہر حال اردوغان کا سفر یہاں تک تو ترقی کے سہارے طے ہوگیا اور ہمارے سیکولر قلمکاروں نے یہ بھی لکھ دیا کہ اردوغان بھی مودی کی طرح اقتدار کی بھوک مٹانے کے لیے ترقی کا سہارا لے رہے ہیں، اگر چہ دونوں کے ذریعہ انجام ترقیاتی کاموں میں نمایاں فرق ہے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ دونوں کی ترقیاتی حصولیابیوں کا موازنہ ہی مضحکہ خیز ہے، افسوس کہ بصیرت تو دور بصارت سے بھی محروم یہ تجزیہ نگاروان ترقیات کو نہ دیکھ پائے، اگر ادنیٰ سا بھی موازنہ کر لیتے تو اس قدر سفید جھوٹ بولنے کی جرأت نہ کرتے، مگر جب دنیا کو فریب ہی دینا ہو تو تحلیل وتجزیہ اور دلیل کا راگ کون الاپے، خیر اب فکر ور جحان اور طرز عمل کے پیش نظر جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ آئندہ اردوغان کو جو کام کرنا ہے وہ بغیر اختیارات کی توسیع کے ممکن نہ تھا، محض ترقیات کے سہارے مزید حصولیابی ممکن نہ تھی، مغربی طاقتوں نے ۱۹۲۳ء میں جو لوزان معاہدہ کیا تھا اس کے سو سال ۲۰۲۳ میں پورے ہو رہے ہیں، اس معاہدے کی رو سے ترکی کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے جواب چند برسوں میں کھل جائیں گے، اس کے بعد پھر جو کچھ کرنا ہے یا جو کچھ ہونے کے امکانات ہیں اس کے لیے اختیارات کی توسیع ضروری تھی، دنیا کا خوف اس پسِ منظر میں بے جا نہیں بجا ہے، ورنہ عرب اور یورپ کی ڈکٹیٹر حکومتوں، اسرائیل کے مجرمانہ قیام اور مغرب کی پیدا کردہ دہشت گردی کی موجودگی میں صدارتی نظام کے نفاذ پر واویلا کیوں مچائی جاتی۔

اسی موزان معاہدہ پر نقد کرتے ہوئے ترک مورخ قدیر مصر اوغلو نے اپنی کتاب "معاهدة لوزان، انتصار أم

خدمۃ؟" میں کہا تھا کہ "ترکوں کی طرف سے جن لوگوں نے اس معاہدے پر دستخط کیا ہے گویا انہوں نے مسلمانوں کی قیادت سے دستبرداری کے معاہدے پر دستخط کر کے ایک چھوٹے سے قطعۂ ارضی پر رضامندی ظاہر کی ہے"۔

رجب طیب اردوغان بار بار اپنی تقریروں میں اس معاہدے کی مراجعت کا مطالبہ کر چکے ہیں، لیکن پہلی جنگ عظیم کے فاتحین مراجعت کے لیے کیوں کر راضی ہوں گے جبکہ انہوں نے ہی اس معاہدے کی رو سے ترکی خلافت کے اثاثوں اور اس کی زمینوں پر قبضے کر کے اس کو ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر محدود کر دیا تھا، باسفورس پر عالمی اجارہ داری قائم کر دی تھی، پٹرول نکالنے پر پابندی عائد تھی، ترکی کو سیکولر ریاست قرار دیا گیا تھا اور خلافت و اسلام سے تعلق ممنوع قرار پایا تھا، اس معاہدے کی تفصیلات پر غور کیجئے تو اندازہ ہوگا اس کو اگر چہ نام معاہدۂ امن Treaty of Peace کا دیا گیا، مگر اس کی شقیں کیسی جابرانہ اور غیر منصفانہ بلکہ دنیا سے خلافت کا تصور ختم کرنے اور مسلمانوں کی اجتماعی طاقت کو بکھیرنے والی سازش پر مبنی تھیں، اردوغان کی خارجہ پالیسی پر نقد کرنے والے ذرا اس معاہدے کے نکات پر نظر ڈالیں اور موجودہ ترکی کی مذہبی و اقتصادی حالت کا مطالعہ کر کے منصفانہ تجزیہ کریں تو سمجھ میں آئے گا کہ ترکی قوم نے اپنے رہنما کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے کون سا کارنامہ انجام دیا ہے، اب جبکہ یہ معاہدہ بغیر کسی مراجعت کے اپنی میعاد ۲۰۲۳ میں خود پوری کر رہا ہے تو ترکی کو ضرورت ہوگی ایک بااختیار، خوددار، جرأت مند حکمراں کی جو کم از کم ترکی کا تشخص بحال کر سکے اور اسے اس کا مقام دلا سکے، واقعہ یہ ہے کہ اس معاہدے کی پابندی کرتے ہوئے بھی ترکی اپنے ماضی کی طرح ملت اسلامیہ کی قیادت کے منصب کی طرف بڑھ رہا ہے، اگر ان حدود و قیود سے اس کو آزادی مل گئی اور مخلص و ایماندار رہنمائی میسر آئی اور اللہ رب العزت کو منظور ہوا تو کچھ بعید نہیں کہ آزمائش کا سلسلہ تمام ہو سکے اور ایک نئی صبح کا سورج طلوع ہو سکے وما ذلك على الله بعزيز۔

مسلم پرسنل لا بیداری مہم:

ملک بھر میں مسلم پرسنل لا بیداری مہم جماعت اسلامی کے ذریعہ چلائی گئی اور اس کے خاطر خواہ فائدے بھی محسوس کیے گئے، کاش کہ اس طرح کی مہم پہلے سے چلائی جاتی، خیر جب جاگیں تب ہی سویرا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف ایک تمہید تھی، ضرورت اب بھی باقی ہے، اس مہم سے تو یہ احساس ہوا کہ اب ضرورت پہلے سے زیادہ بڑھ گئی ہے کہ اس مہم کو پوری قوت کے ساتھ پورے ملک میں چلایا جائے، ابھی کیا ہوا ہے، مسلمانوں کی آبادی کے تناسب سے کوئی دو- تین فیصد لوگوں تک پیغام پہنچا ہے، بات تو اس وقت مکمل ہوگی جب ہر ہر گاؤں، ہر شہر اور ہر شہر کے ہر محلے اور ہر مسجد میں عائلی مسائل پر دو- تین ورکشاپ کیے جائیں۔

واقعہ یہ ہے کہ زمینی کام میں ہم اور ہماری تنظیمیں غیروں کے مقابلے میں بہت پیچھے ہیں، پرسنل لا بورڈ اور جمعیۃ العلماء کو چاہیے کہ عائلی مسائل پر ضروری گائیڈ لائن تیار کرائیں، بڑے مدارس کے سال آخر اور تخصص کے طلبہ کو استعمال کریں، ہر

علاقے میں موجود چھوٹے مدارس کے اساتذہ کو استعمال کریں، اپنی گائیڈ لائن دے کر ان اساتذہ وطلبہ کے ذریعہ ملک کے طول و ارض میں بسنے والی ہر مسلم بستی میں ورکشاپ رکھیں، دودو چار کی طرح قرآن کا نظام نکاح وطلاق سمجھایا جائے، میراث کے مسائل سے واقف کرایا جائے، ایک ایک مسجد میں دو تین دن کا ورکشاپ رکھ جائے، کون سا مدرسہ ہے جو پرسنل لا بورڈ یا جمعیۃ العلماء یا دیوبند وندوہ کی اس تحریک کا انکار کرے گا، مگر انہیں استعمال تو کیا جائے، فکری وسعت کے ساتھ لائحہ عمل تیار کرکے اس کے نفاذ کی مجاہدانہ کوششیں تو کی جائیں، جماعت اسلامی نے اس سمت میں پہل کی وہ ہم سب کے شکریہ کی مستحق ہے کہ اس نے کرنے کا اصل کام کرڈالا، اس کی ضرورت بہت پہلے کرنے کی تھی اگر چہ اب یہ کام شروع کیا گیا، مگر ابھی کچھ نہیں ہوا، ابھی بہت کام باقی ہے، وہ بستیاں جو تعلیم سے محروم ہیں، دین سے محروم ہیں، جہاں دن رات آپسی جھگڑے ہوتے ہیں، جہاں روز طلاقیں پڑتی ہیں، ہالوں اور اداروں کو چھوڑ کر وہاں پہنچنے کی ضرورت ہے، وہاں کام کرنے کی ضرورت ہے، مفتیوں اور قاضیوں کو ٹریننگ دے کر ہر ہر جگہ ان کو پہنچانے کی ضرورت ہے، اس سے قبل اپنے ورکشاپ کے ذریعہ شریعت کی روشنی میں اپنے تنازعات اور مقدمات فیصل کرانے پر ابھارنے اور ذہن سازی کرنے کی ضرورت ہے، ضرورت ہے کہ ہر ادارے اور ہر شہر میں ایک کاؤنسلنگ سینٹر قائم کیا جائے، جمعہ کے خطبات کا بہتر سے بہتر طور پر استعمال کیا جائے جو لوگ باصلاحیت نہیں ہیں وہ کم از کم کسی ایک مسئلہ پر کسی کے لکھے ہوئے مضمون کو ہی اچھی طرح پڑھ کر سنا دیا کریں، پرسنل لا بورڈ کو چاہیے کہ ہر ہفتہ جمعہ کا ایک عنوان متعین کرے اور سوشل میڈیا کے ذریعہ اپنا خطبہ اس عنوان پر ہر زبان میں تیار کرکے پورے ملک میں پہنچادے، بلکہ ہر شہر یا ہر ضلع میں اس کام کے لیے ایک مولوی کو اپنا کارکن نامزد کرے، حالات نے واضح اشارہ دے دیا ہے کہ اپنے دفاع میں ہم کو اپنے دائرے میں رہتے ہوئے دفاعی کوششوں کے لیے منصوبہ بندی کرنی ہوگی اور ہر سطح پر ایمان وعقیدے کے تحفظ کے لیے تحریکی انداز اپنانا ہوگا، اگر اس طرح کے منصوبہ بند عمل پہلے کیے گئے ہوتے، اگر تفہیم شریعت اور غیروں میں تبلیغ دین کی مہم تسلسل کے ساتھ منصوبہ بند طریقے سے چلتی رہتی تو صورتحال اتنی خطرناک ہوتی، ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ اس ملک میں غیر مسلم خود اس قدر تقسیم ہیں کہ وہ یکساں سول کوڈ نافذ نہیں کر سکتے، لیکن مسلمانوں کا اپنے پرسنل لا پر عمل پیرا ہونا ان کو نہیں بھاتا، سپریم کورٹ کی حالیہ بحث اور حکومت کے موقف سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت رفتہ رفتہ یکساں سول کوڈ کے بجائے اب ہمارے عائلی قانون پر ایک ایک کرکے عدالت میں بحث کرائے گی اور پھر عدالت کے اشارے پر پارلیمنٹ میں قانون سازی کی راہ ہموار کرے گی۔

اس ضمن میں دوسرا کام کرنے کا یہ ہے کہ علماء اور اہل مدارس اور ذمہ داران تحریکات اور اپنے آپ کو دیندار سمجھنے والے یا دیندار نظر آنے والے حضرات اصلاح معاشرہ اور شریعت پر عمل کی عملی تحریک چلائیں، واقعہ یہ ہے کہ جو تحریک عملیت سے خالی ہوتی ہے وہ بے اثر ہوتی ہے، ہمارے یہاں اکثر دیندار حضرات بھی بہن بیٹی کی میراث اور تقریبات نکاح اور بارات وجہیز کے سلسلہ میں دوسروں سے مختلف نظر نہیں آتے، بلکہ بسا اوقات طلاق کے مسئلہ میں بھی وہی صورت حال سامنے آجاتی ہے، جو غیر دینداروں اور جاہلوں کے معاشرے کی ہوتی ہے، ضرورت ہے کہ ہم خود عملی مثال پیش کریں، ایسی شادیوں کا بائیکاٹ کریں جہاں بارات،

جہیز اور اسراف وتبذیر کا نظارہ ہو، ایسے لوگوں کو سمجھائیں جو سودی قرض لے لے کر شادیاں کرتے ہوں، ایسا ماحول بنائیں جس میں بہن بیٹیوں کا حق میراث ادا کیا جائے، جب تک عملی مثالیں لوگوں کے سامنے نہیں آئیں گی تب تک ہر تحریک بے اثر ہوگی اور حالات بد سے بدتر ہوتے جائیں گے، عائلی مسائل پر ہر ادارہ ہر مدرسہ عوام کی ذہنی سطح کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور اختلافات سے بچتے ہوئے اپنے اپنے حلقہ اثر اور علاقے میں زبردست تحریک چلائے تا کہ قرآن کا پیغام سب تک پہنچ جائے۔

کچھ لوگ وہ ہیں جو قبل از وقت اندیشے ظاہر کر رہے ہیں کہ اردوغان کے بعد کیا ضروری ہے کہ جو شخص آئے وہ ان اختیارات کا صحیح استعمال کرے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ نظام کی تبدیلی کسی بڑے نقصان کا پیش خیمہ بن جائے، ان سے ہمیں فی الحال یہی عرض کرنا ہے کہ وہ اردوغان کی طویل عمر کیلئے دعا کریں، اندیشہ ہائے دور دراز سے گریز کریں، اردوغان اگر مخلص ہیں تو آئندہ کے لیے انتظام بھی کر لیا ہوگا، عدنان مندریس سے اردغان تک کا سفر رجال کا تر کی افراد سازی اور فکر سازی کا ہی نتیجہ ہے، تو یقیناً اردوغان نے بھی رجال سازی کی ہوگی، پھر اگر وہ مخلص ہیں تو قصہ موسیٰ وخضر میں " وابـوهما صالحا" کی حکمت پر غور کریں کہ والدین کی نیکیوں کے اثرات سے بچے محروم نہیں کیے جاتے، پھر کچھ تو اس خدا پر چھوڑ دیجئے جس نے عدنان مندریس سے یہاں تک پہنچایا اگر اس کی منشا شامل حال ہوئی تو آئندہ کے انتظامات بھی وہی فرمائے گا۔

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

❑ تاریخ کے جھروکوں سے

یہ نصیب اللہ اکبر، لوٹنے کی جائے ہے

محمد فرید حبیب ندوی

استاد مدرسۃ العلوم الاسلامیہ

وہ ایک دم گھبرا کر اٹھ بیٹھا...... سانس کی رفتار تیز تر ہوگئی...... دل کی دھڑکن قیامت بن گئی...... پیشانی پسینے سے شرابور............ دماغ میں ہلچل...... خیالات میں طوفان.......

آج تیسرا دن تھا............ وہ تین دن سے اسی طرح گھبرا کر بیدار ہوتا............ رگیں پھول جاتیں...... پیشانی عرق آلود ہوجاتی...... بدن کپکپانے لگتا...... یہ مسلسل تیسری رات تھی۔

گھبراہٹ کی وجہ ایک عجیب وغریب خواب تھا...... جو وہ مسلسل تین راتوں سے دیکھ رہا تھا...... اور خواب بھی ایسا جو نظر انداز نہ کیا جاسکے...... . . اور اتنا عجیب جو کسی اور کو نظر نہ آسکے...... وہ فکرمند بھی تھا اور پریشان بھی...... متفکر بھی اور بے چین بھی...... لیکن شاید اسے اندازہ نہ تھا کہ یہ خواب اس کی زندگی کا سب سے قیمتی پل ہے...... اور آج کے بعد اس کی زندگی میں ایسا واقعہ درج ہونے والا ہے جس پر رہتی دنیا تک رشک کیا جائے گا...... ایسا واقعہ جسے یاد کرکے دل میں ایک میٹھا سا درد اٹھے گا اور قطرے بن کر آنکھوں کے راستے رخساروں پر بہہ جائے گا...... . . ایسا واقعہ جس پر وہ بھی زندگی بھر رشک کرتا رہے گا...... اور ایسا ہی ہوا...... وہ اسے یاد کرکے رو پڑتا تھا...... اس کی پلکیں بھیگ جاتی تھیں...... اور اسے اپنی قسمت پر ناز ہوتا تھا...... اس خواب کے نتیجہ میں ہی اسے وہ شرف حاصل ہوا، جسے پانے کے لئے اپنی جان بھی قربان کرنا قابل صد رشک ہے...... اسے آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا...... اپنے ہاتھوں سے اس نے آقا کے قدم چھوئے...... اپنی آنکھوں سے انہیں چوما...... اپنے ہاتھوں سے انہیں مس کیا۔

کاش مجھے بھی یہ موقع ملتا...... ہائے کاش! مجھے بھی آقا کی خاک پا کو سرمہ چشم بنانے کی توفیق ملتی...... میں اس کی قسمت کو دیکھتا ہوں...... اور پھر اپنی قسمت پر نظر کرتا ہوں...... اور پھر اشکوں کا نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے...... مگر پھر خود ہی تسلی بھی مل جاتی ہے...... خیال آتا ہے کہ کیا یہ ناپاک ہاتھ ان مبارک قدموں کو مس کرنے کے لائق ہیں؟ کیا یہ ناپاک آنکھیں ان کے دیدار کے قابل ہیں؟ نہیں...... . . نہیں...... . . کہاں وہ بابرکت قدم اور کہاں یہ گندے ہاتھ...... اور پھر مجھے اس کی سعادت پر رشک آنے لگتا ہے...... کتنا خوش نصیب تھا وہ!! جسے آقا نے خود اپنی قدم بوسی کے لئے منتخب کیا...... کتنا قابل رشک ہے، وہ جسے ساری دنیا میں سے تنہا چنا گیا............ ہاں ساری دنیا میں آقا نے صرف اسی کا انتخاب کیا۔

تین راتوں سے اس کا انتخاب ہورہا تھا...... مگر وہ خواب کی حقیقت سمجھنے سے قاصر تھا...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے خواب میں تشریف لاتے اور اس سے شکوہ کرتے کہ دو شخص مجھے پریشان کررہے ہیں...... مجھے ان کی تکلیف سے نجات دلاؤ۔

وہ اس کی حقیقت سمجھ نہیں پارہا تھا... مگر جب مسلسل تین راتوں تک ایسا ہی ہوا تو اس نے علماء سے رائے لی...... سب نے اسے مدینہ کے سفر کا مشورہ دیا............ وہ شوق کے پَر لگا کر چلا... ......عجیب دیوانگی اس پر طاری تھی............ وہ اس نعمت پر پاگل ہوا جارہا تھا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف دور کرنے کے لئے اسے منتخب کیا گیا ہے...... نہ معلوم راستہ میں کتنی بار اس کی آنکھوں نے

اشکوں کا دریا بہایا.......اس کا پاگل پن قابل دید اور قابل شنید ہے............دمشق سے مدینہ کا فاصلہ 25-30 دن کا ہے...... . مگر اس کا جنون اس کے لئے اڑن طشتری بن گیا......اور یہ فاصلہ اس نے محض 16 دن میں طے کرلیا...... جیسے جیسے مدینہ قریب ہوتا جارہا تھا......اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جارہی تھی............اور جب یہ مبارک بستی سامنے آئی......اس کی نگاہیں جھک گئیں......جذبات میں بھونچال آ گیا............وہ خوش بھی تھا اور متفکر بھی............پریشان بھی تھا اور مطمئن بھی......اس کی کیفیت بیان سے باہر تھی............وہ کیفیت بس محسوس کرنے کی تھی......نہ سننے کی اور نہ سنانے کی............وہ بس اس کی قسمت تھی کہ اسے ایسی کیفیت نصیب ہوئی۔

وہ دیوانہ تھا......سچ میں دیوانہ تھا......ایسا لگ رہا تھا جیسے آج اسے کوئی دولت ہاتھ آ گئی ہو............چہرہ پہ عجیب سی رونق تھی......اس نے مدینہ پہنچ کر سارے لوگوں کی دعوت کی......اور ایک ایک کو بلایا......خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ان دونوں موذیوں کا چہرہ دکھادیا تھا......حاضرین میں اس نے ہر ایک کے چہرہ کو غور سے دیکھا...... مگر وہ شکلیں اسے کہیں دکھائی نہ دیں......اس نے والی مدینہ سے استفسار کیا......پتہ چلا کہ دو نہایت ہی بزرگ لوگ اس دعوت میں شریک نہیں ہوئے ہیں......وہ ہمہ وقت عبادت میں مشغول رہتے ہیں......اس نے انہیں بھی بلوایا...... جیسے ہی ان پر نظر پڑی......اس کا چہرہ غصہ سے تمتمانے لگا......یہ تو وہی دونوں تھے، جن کے چہرے اسے خواب میں دکھائے گئے تھے......اس نے تحقیق حال کی تو پتہ چلا کہ یہ دونوں عیسائی ہیں......اور انہوں نے اپنے مکان سے روضہ رسول علی صاحبہا الصلاۃ والتسلیم تک ایک سرنگ کھود رکھی ہے......اور وہ آپ علیہ السلام کے جسد اطہر کو یہاں سے لے جانا چاہتے ہیں۔

اس نے یہ سب کچھ سنا تو غصہ سے پاگل ہوگیا......اس کی حالت عجیب تھی......ایک نشہ تھا جو اس پر طاری تھا......ایک وجد تھا جس نے اسے کیف میں مبتلا کر دیا تھا......وہ اس سرنگ میں خود داخل ہوا...... جب دوسرے سرے پر روضہ تک پہنچا...... تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہوگیے...... آقا کے قدم کھلے ہوئے تھے......اسے اپنی آنکھوں پہ یقین نہ آیا......پورا چہرہ آنسو اور پسینہ سے شرابور ہوگیا......دل تھا کہ سینہ سے باہر نکلا چاہتا تھا......سانس تھا کہ ساتھ دینے کو تیار نہ تھا......ہاتھ کپکپارہے تھے......ڈرتے ڈرتے......سہمے سہمے اس نے قدم بوسی کی...... . .جی چاہا کہ ساری زندگی انہی قدموں میں گذاردوں...... . . .ساری عمر انہیں تکتا رہوں...... . چھوتا رہوں......اور دل کو تسکین ملتی رہے۔

واقعی کتنا خوش قسمت تھا وہ!...... . تھا نہ خوش قسمت؟......کاش مجھے بھی موقع ملتا تو ان قدموں سے چپک چپک کے روتا...... کبھی آنکھوں سے چومتا......کبھی سینہ سے لگاتا...... . . . کبھی پلکوں سے پیار کرتا...... . . گھنٹوں تکتا رہتا...... مگر ہائے اپنی قسمت......یہاں جب حال یہ ہے کہ ایک سنت بھی بوجھ لگتی ہے......تو یہ نعمت کہاں ہمارے نصیب میں ......یہ تو قسمت والوں کو ملتی ہے۔

وہ بادل ناخواستہ اس سرنگ سے باہر آیا......اور پھر روضہ کے گرد سیسہ کی دیوار بنانے کا حکم دیا......اور ان دونوں مجرموں کو سبق سکھایا۔

وہ پوری زندگی اپنی قسمت پر رشک کرتا رہا......کیا اس سے بڑی خوش نصیبی کوئی اور ہوسکتی ہے؟؟؟ یہ وہی کام تھا جو کل صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے......یہی کام آج اس سے لیا گیا تھا......قابل صد رشک...... قابل صد ہزار رشک۔

یہ خوش قسمت کوئی اور نہیں...... سلطان نور الدین زنگی تھا......یہ وہی تھا جس کے طفیل اس امت کو صلاح الدین ایوبی ملا............اللہ اس کی قبر کو نور سے معمور کرے۔آمین۔

☆☆☆

❑ گوشۂ رمضان

رمضان سے متعلق احکام ومسائل

تلخیص وپیشکش: محمد فرید حبیب ندوی

نوٹ: پیش نظر مضمون مختلف علماء کی تحریروں سے منتخب کرکے تیار کیا گیا ہے،جگہ جگہ راقم سطور نے حذف واضافہ کردیا ہے،(م۔ف۔ح۔)۔

فضیلت: ماہ رمضان کی فضیلت واہمیت مسلم ہے،اس ماہ مبارک میں بہت سے اعمال ہیں ، جن کو ادا کرنے پر بڑے اجروثواب کی بشارت دی گئی ہے،سب سے اہم تو روزہ ہے،اس کے علاوہ :تراویح،قرآن سننااورسنانا،اعتکاف اور شب قدر کی عبادت وغیرہ،چونکہ یہ سارے اعمال رمضان میں انجام دیے جاتے ہیں،اس لئے اس ماہ کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے ،ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:”إذا دخل شهر رمضان فتحت أبواب السماء وغلقت أبواب جهنم،وسلسلت الشياطين“[بخاری،الصوم،رقم:۸۹۸](جب رمضان آتا ہے،تو آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں،اور جہنم کے دروازے بند کردئے جاتے ہیں اور شیاطین کو قید کردیا جاتا ہے)۔ایک دوسری حدیث میں ہے:”من قام رمضان إيماناً واحتساباً غفر له ماتقدم من ذنبه“[بخاری۳۷،ومسلم۷۵۹](جس شخص نے رمضان کو ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت کے ساتھ عبادت میں گذارا،تو اس کے پچھلے تمام گناہ بخش دیے جاتے ہیں)۔اس طرح کی بے شمار احادیث ہیں،جو رمضان کے فضائل پر دلالت کرتی ہیں۔

اس مہینے میں جس طرح نیکیاں کمانے کی ہم فکر کرتے ہیں اور مختلف اعمال انجام دیتے ہیں ، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے؛ بلکہ یہ زیادہ ضروری ہے کہ ہم خود کو تمام گناہوں سے بچائیں ،اور کوئی بھی ایسا عمل نہ کریں ، جس سے اللہ تعالی کی نافرمانی لازم آتی ہو ، اس پہلو پر خاص طور سے توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

روزہ کی نیت سے متعلق مسائل:

☆… رمضان المبارک کے روزے کی نیت صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے کرلینا بہتر ہے۔

☆… اگر صبح صادق طلوع ہونے کے بعد روزہ رکھنے کا ارادہ کیا،اس حال میں کہ صبح صادق سے کچھ کھایا پیا نہیں تھا،تو روزہ کی نیت صحیح ہے۔

☆… نیت زبان سے ادا کرنا ضروری نہیں ہے؛بس دل میں ارادہ کرلیناہی کافی ہے۔

☆… سحری کھائے بغیر بھی روزہ کی نیت کی جاسکتی ہے؛البتہ سحری کھانا مستحب اور برکت کا باعث ہے۔

سحری سے متعلق مسائل:

☆… سحری کھانا مستحب ہے اور احادیث میں اس کی بہت

فضیلت وارد ہوئی ہے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سحری کھایا کرو، کیوں کہ سحری کھانے میں برکت ہے۔''(متفق علیہ)۔

☆... حالتِ جنابت میں سحری کھالینا اور روزہ رکھ لینا جائز ہے، لیکن جتنی جلدی ممکن ہو انسان کو پاکی حاصل کر لینی چاہیے، اس لیے کہ زیادہ دیر ناپاک رہنا بھی گناہ کے زمرے میں آتا ہے۔

افطار سے متعلق مسائل:

☆... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق سورج غروب ہوتے ہی روزہ افطار کرلینا چاہیے، افطار میں تاخیر کرنے کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند کیا ہے۔

☆... روزہ افطار کرنے کی مسنون دعا یہ ہے: ''ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابتلت العروق وَثَبَتَ الاَجرانِ شَاءَ اللہ'' (ابوداؤد)، پیاس چلی گئی، رگیں تر ہوگئیں اور اجر وثواب اللہ کے حکم سے قائم ہوگیا۔'' اَللّٰھُمَّ لَكَ صُمتُ وَعَلٰی رِزقِكَ اَفطَرتُ (ابوداود) ''اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے دیے ہوئے رزق پر افطار کیا۔''

☆... تازہ کھجور سے روزہ افطار کرنا مستحب ومسنون ہے، اگر کھجور میسر نہ ہو تو پانی سے روزہ افطار کرنا چاہیے، اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی معمول تھا۔

☆... افطار کا وقت دعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے، اس لیے افطار سے چند منٹ پہلے سے ہی خشوع وخضوع کے ساتھ دعا کا اہتمام کرنا چاہیے۔

☆... سحری اور افطار میں اس جگہ کا اعتبار ہوگا جہاں انسان اس وقت موجود ہے، مثلاً: اگر کوئی سعودی عرب سے روزہ رکھ کر علی گڑھ آتا ہے تو وہ افطار علی گڑھ کے وقت کے مطابق کرے گا۔

☆... ہوائی جہاز میں سفر کرتے ہوئے افطار کا وقت تب ہوگا، جب وہاں موجود لوگوں کو سورج غروب ہوتا نظر آئے، زمین والے وقت کے مطابق وہ افطار نہیں کرسکتے۔

جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے:

(۱) کان اور ناک میں دوا ڈالنا، (۲) قصداً منہ بھر قے کرنا، (۳) کلی کرتے ہوئے حلق میں پانی چلا جانا، (۴) عورت کو چھونے وغیرہ سے انزال ہوجانا، (۵) کوئی ایسی چیز نگل جانا جو عادةً کھائی نہیں جاتی، جیسے لکڑی، لوہا، گیہوں کا دانہ وغیرہ، (۶) لوبان یا عود وغیرہ کا دھواں قصداً ناک یا حلق میں پہنچانا۔(۷) بھول کر کھاپی لیا اور یہ خیال کیا کہ اس سے روزہ ٹوٹ گیا ہوگا، پھر قصداً کھاپی لیا، (۸) رات سمجھ کر صبح صادق کے بعد سحری کھالی، (۹) دن باقی تھا؛ مگر غلطی سے یہ سمجھ کر کہ آفتاب غروب ہوگیا ہے، روزہ افطار کرلیا۔

تنبیہ: ان سب چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، مگر صرف قضا واجب ہوتی ہے، کفارہ لازم نہیں ہوتا۔

☆... جان بوجھ کر کھاپی لینے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اس صورت میں کفارہ اور قضا دونوں لازم ہیں۔

☆... دانتوں میں گوشت یا کھانے کا کوئی حصہ رہ گیا اور روزہ کی حالت میں انسان نے نگل لیا تو اگر وہ چنے کے دانے کے برابر ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا لازم ہوگی اور اگر چنے کے دانے سے کم ہے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

☆... وضو کرتے وقت یا نہاتے وقت اگر غلطی سے پانی حلق میں چلا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اس صورت میں صرف قضا لازم ہے، اسی بنا پر انسان کو چاہیے کہ روزہ کی حالت میں فرض غسل کرتے وقت بھی نہ تو غرارہ کرے اور نہ بہت زیادہ ناک میں پانی ڈالے، کیوں کہ اس سے روزہ ٹوٹ جانے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے۔

☆... اگر کسی نے زبردستی کچھ کھلا دیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا لازم ہوگی کفارہ نہیں، البتہ کھلانے والا گنہگار ہوگا۔

☆... دانتوں یا مسوڑوں سے خون نکل کر حلق میں چلا جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا لازم ہوگی۔

☆... روزہ کی حالت میں بیوی سے ہم بستری کرنے سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس صورت میں کفارہ اور قضا دونوں لازم ہوں گے۔

☆... اگر ہم بستری نہیں کی، صرف بوسہ لیا اور انزال ہو گیا تو اس صورت میں روزہ فاسد ہو جائے گا اور قضا لازم ہوگی۔

☆... اگر کسی مرد نے ہاتھوں سے انزال کرلیا تو اس صورت میں صرف قضا لازم ہوگی۔

☆... اسی طرح اگر کسی شخص نے عورت کو شہوت سے دیکھا یا چھوا اور انزال ہو گیا تو اس صورت میں بھی صرف قضا لازم ہوگی۔

☆... اگر کسی نے قصداً منہ بھر کر قے (اُلٹی) کی تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، یا پھر اگر خود بخود قے آئی اور پھر اس نے جان بوجھ کر اندر نگل لی تو اس سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔

☆... روزہ کی حالت میں سگریٹ یا حقہ پینے سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اگر یہ کام جان بوجھ کر کیا ہے تو قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے، ورنہ صرف قضا لازم ہوگی۔

☆... اگر کوئی شخص سحری کے وقت پان یا چھالیہ منہ میں ڈال کر سو گیا اور سحری کا وقت ختم ہونے کے بعد اس کی آنکھ کھلی، تو اس کا روزہ نہیں ہوا، اس پر قضا لازم ہے۔

☆... اگر کسی کی نکسیر پھوٹ گئی اور خون حلق میں چلا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر خون حلق میں نہیں گیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

☆... روزہ کی حالت میں سانس کی بیماری کی وجہ سے inhaler استعمال کرنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا لازم ہوگی۔

وہ چیزیں جن سے روزہ ٹوٹتا نہیں؛ مگر مکروہ ہوجاتا ہے:

(۱) بلاضرورت کسی چیز کو چبانا یا نمک وغیرہ چکھ کر تھوک دینا، ٹوتھ پیسٹ یا منجن یا کوئلہ سے دانت صاف کرنا بھی روزہ میں مکروہ ہیں۔

(۲) تمام دن حالت جنابت میں بغیر غسل کیے رہنا۔

(۳) غیبت یعنی کسی کی پیٹھ پیچھے اس کی برائی کرنا، یہ ہر حال میں حرام ہے، روزہ میں اس کا گناہ اور بڑھ جاتا ہے۔

(۴) روزہ میں لڑنا جھگڑنا، گالی دینا خواہ انسان کو ہو یا کسی بے جان چیز کو یا جاندار کو، ان سے بھی روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔

جن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

☆... اگر کسی نے روزہ کی حالت میں بھول کر کھا پی لیا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، البتہ اگر کھاتے کھاتے یاد آجائے تو فوراً کھانا پینا چھوڑ دے اور اگر چیز منہ میں ہو تو اسے بھی تھوک دے۔

☆... اگر کسی نے روزہ کے دوران کوئی چیز چکھ کر تھوک دی تو اس سے روزہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا' البتہ بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے۔

☆... روزہ کی حالت میں تھوک نگلنے سے بھی روزہ پر فرق نہیں پڑتا' البتہ جان بوجھ کر تھوک کو جمع کر کے نگلنا مکروہ ہے۔

☆... روزہ کی حالت میں گرد وغبار یا دھواں حلق میں چلا جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ اگر ان چیزوں کو جان بوجھ کر حلق سے نیچے اتارا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

☆... روزہ کی حالت میں مسواک (چاہے خشک ہو یا تر) کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

☆... روزہ کی حالت میں اگر غسل کرتے ہوئے کان میں خود بخود پانی چلا گیا تو روزہ پر کوئی فرق نہیں پڑے گا، اس لیے کہ یہ اختیار سے باہر ہے۔

☆... روزہ کی حالت میں خود سے قے (اُلٹی) آجانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

☆... روزہ کی حالت میں دانتوں سے خون نکلنے سے روزہ

نہیں ٹوٹتا، بشرطیکہ خون حلق میں نہ جائے، اگر خون حلق میں چلا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

☆... روزہ کی حالت میں آنکھ میں سرمہ یا کاجل لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

☆... روزہ کی حالت میں سر یا پورے جسم پر تیل لگانے اور مالش کرنے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

☆... روزہ کی حالت میں بیوی سے معانقہ کرنے یا بوسہ لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، بشرطیکہ انسان کو اپنے نفس پر کنٹرول ہو۔

☆... روزہ کی حالت میں اگر احتلام ہوجائے تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

☆... انجکشن لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، چاہے انجکشن گوشت میں لگایا جائے یا رگ میں، البتہ بغیر کسی مجبوری کے روزہ کی حالت میں طاقت کا انجکشن لگانا مکروہ ہے۔

☆... گلوکوز کی بوتل (drip) لگانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ بغیر کسی مجبوری کے ایسا کرنا مکروہ ہے۔

☆... روزہ کی حالت میں جسم کے کسی حصے سے، کسی بھی مقدار میں خون نکلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

☆... روزہ کی حالت میں کسی کو خون دینے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

☆... روزہ کی حالت میں دانت نکلوانے سے روزہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا، بشرطیکہ خون حلق میں نہ جائے۔

☆... روزہ کی حالت میں آنکھ میں دوائی ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، لیکن جدید میڈیکل سائنس کی تحقیق کے مطابق آنکھ میں ڈالی گئی سیال دوائی کا ذائقہ چوں کہ حلق میں محسوس ہوتا ہے، اس لیے احتیاط کے پیش نظر روزے کی حالت میں (بغیر کسی مجبوری کے) آنکھ میں دوائی ڈالنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

☆... روزہ کی حالت میں منہ میں بلا عذر دوائی لگانا مکروہ ہے اور اگر کسی نے منہ میں دوائی لگائی اور وہ حلق میں چلی گئی تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

وہ چیزیں جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور مکروہ بھی نہیں ہوتا!

(۱) مسواک کرنا۔ (۲) سر یا مونچھوں پر تیل لگانا۔ (۳) آنکھوں میں دوا ڈالنا یا سُرمہ لگانا۔ (۴) خوشبو سونگھنا۔ (۵) گرمی اور پیاس کی وجہ سے غسل کرنا۔ (۶) کسی قسم کا انجکشن یا ٹیکہ لگوانا۔ (۷) بھول کر کھانا پینا۔ (۸) حلق میں پانی ڈالنا یا بلا قصد چلا جانا۔ (۹) خود بخود قے آجانا۔ (۱۰) سوتے ہوئے احتلام (غسل کی حاجت) ہوجانا۔ (۱۱) دانتوں میں سے خون نکلے، مگر حلق میں نہ جائے تو روزہ میں خلل نہیں آیا۔

وہ عذر جن سے رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہوتی ہے:

(۱) بیماری کی وجہ سے روزہ کی طاقت نہ ہو، یا مرض بڑھنے کا شدید خطرہ ہو تو روزہ نہ رکھنا جائز ہے، بعد رمضان اس کی قضا لازم ہے۔

(۲) اگر اُسے یقین ہوجائے کہ اب وہ اس بیماری سے صحت یاب نہیں ہوسکتا تو وہ اپنے قضا شدہ روزوں کا فدیہ ادا کرے گا۔

(۳) فدیہ ادا کرنے کے بعد اگر وہ صحت یاب ہوجاتا ہے تو اس کا فدیہ صدقہ شمار ہوگا اور اسے ان روزوں کی قضا کرنا ہوگی۔

☆... اگر وہ صحت یاب ہونے کی اُمید پر فدیہ ادا نہیں کرتا اور وفات پاجاتا ہے تو اس کے ورثا کو چاہیے کہ اس کے مال میں سے فدیہ ادا کریں۔

(۲) جو عورت حمل سے ہو اور روزہ میں بچہ کو یا اپنی جان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو روزہ نہ رکھے، بعد میں قضا کرے۔

(۳) جو عورت اپنے یا کسی غیر کے بچہ کو دودھ پلاتی ہے، اگر روزہ سے بچہ کو دودھ نہیں ملتا، تکلیف پہنچتی ہے تو روزہ نہ

رکھے پھر قضا کرے۔

(۴) مسافر شرعی (جو کم از کم ۸۷ کلومیٹر کے سفر کی نیت پر گھر سے نکلا ہو) اس کے لیے اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے، پھر اگر کچھ تکلیف ودقت نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ سفر ہی میں روزہ رکھ لے، اگر خود اپنے آپ کو یا اپنے ساتھیوں کو اس سے تکلیف ہو تو روزہ نہ رکھنا ہی افضل ہے۔

(۵) بحالت روزہ سفر شروع کیا تو اس روزہ کا پورا کرنا ضروری ہے اور اگر کچھ کھانے پینے کے بعد سفر سے وطن واپس آ گیا تو باقی دن کھانے پینے سے احتراز کرے، اور اگر ابھی کچھ کھایا پیا نہیں تھا کہ وطن میں ایسے وقت واپس آ گیا جب کہ روزہ کی نیت ہو سکتی ہو یعنی زوال سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل تو اس پر لازم ہے کہ روزہ کی نیت کر لے۔

(۶) کسی کو قتل کی دھمکی دے کر روزہ توڑنے پر مجبور کیا جائے تو اس کے لیے توڑ دینا جائز ہے، پھر قضا کر لے۔

(۷) کسی بیماری یا بھوک پیاس کا اتنا غلبہ ہو جائے کہ کسی مسلمان دیندار ماہر طبیب یا ڈاکٹر کے نزدیک جان کا خطرہ لاحق ہو تو روزہ توڑ دینا جائز؛ بلکہ واجب ہے اور پھر اس کی قضا لازم ہوگی۔

(۸) عورت کے لیے ایام حیض میں اور بچہ کی پیدائش کے بعد جو خون آتا ہے یعنی نفاس اس کے دوران میں روزہ رکھنا جائز نہیں، ان ایام میں روزہ نہ رکھے، بعد میں قضا کرے۔

☆ ... اگر کسی عورت کو روزہ کے دوران menses (حیض) شروع ہو جائے تو اس کا روزہ ختم ہو جاتا ہے اور اس کی قضا اس پر لازم ہے۔

☆ ... اگر عورت کو سالن چکھنے کی ضرورت پیش آئے تو وہ ایسا کر سکتی ہے، لیکن ایسا کرنا کسی مجبوری کی بنا پر جائز ہے اور بغیر کسی مجبوری کے ایسا کرنا مکروہ ہے، نیز صرف سالن چکھ سکتی ہے اگر سالن یا اس کا ذائقہ حلق میں چلا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

☆ ... اسی طرح مجبوری میں عورت اپنے بچے کو کھانے کی کوئی چیز چبا کر دے سکتی ہے، لیکن اگر اس نے اتنا چبایا کہ اس چیز کا ذائقہ حلق میں محسوس ہوا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

☆ بیمار، مسافر، حیض ونفاس والی عورت جن کے لیے رمضان میں روزہ رکھنا اور کھانا پینا جائز ہے ان کو بھی لازم ہے کہ رمضان کا احترام کریں، سب کے سامنے کھاتے پیتے نہ پھریں۔

شیخ فانی سے متعلق مسائل:

☆ ... شیخ فانی ایک فقہی اصطلاح ہے، جو ایسے بوڑھے مرد یا بوڑھی عورت کے لیے استعمال ہوتی ہے جو عمر کے ایسے حصے میں پہنچ گئے ہوں کہ روز بروز ان کی کمزوری میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہو، ایسا شخص جب روزہ رکھنے سے عاجز ہو یعنی نہ اب رکھ سکتا ہے، نہ آئندہ اس میں اتنی طاقت آنے کی امید ہے کہ وہ روزہ رکھ سکے' تو اسے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور ہر روزے کے بدلے فدیہ دینے کا حکم ہے۔

☆ ... اگر کوئی شیخ فانی گرمیوں میں گرمی کی شدت کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا' مگر سردیوں میں روزہ رکھنے کی قدرت رکھتا ہے تو وہ ماہِ رمضان میں نہ رکھے، اور ان روزوں کی سردیوں میں قضا کرے، اس صورت میں روزوں کا فدیہ قابلِ قبول نہیں ہوگا۔

☆ ... اگر کوئی شیخ فانی روزے کی طاقت نہیں رکھتا تھا اور اس نے اپنے روزوں کا فدیہ ادا کر دیا، کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس کی طاقت بحال ہو گئی تو اب اس کا فدیہ صدقہ شمار ہوگا اور وہ اپنے قضا شدہ روزوں کی قضا کرے گا۔

☆ ... شیخ فانی کسی غریب مسکین کو رقم دے کر اس سے اپنے روزے نہیں رکھوا سکتا، اس لیے کہ روزہ' نماز کی طرح ایک بدنی عبادت ہے اور بدنی عبادت میں کوئی کسی کی نیابت نہیں کر سکتا۔

روزے کا فدیہ:

☆ ... ایک روزے کا فدیہ صدقہ فطر کے برابر ہے، یعنی پونے

دوکلوگندم یااس کی قیمت کسی غریب کودے دے یا کسی مسکین کو دووقت کا کھانا کھلا دے۔

☆... فدیہ صرف اس صورت میں دیا جاسکتا ہے جب یہ یقین ہوجائے کہ روزہ رکھنے کی نہ اب طاقت ہے اور نہ آئندہ طاقت بحال ہونے کی کوئی امید ہے۔

☆... انسان کے ذمے اگر قضا روزے ہوں اور اب آئندہ رکھ نہ سکتا ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے ورثا کو ان روزں کا فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرے۔

☆... اگر انسان وصیت نہیں کرتا تو اس کے روزوں کا فدیہ اس کے ورثا خود سے بھی ادا کر سکتے ہیں اور میت کی طرف سے روزوں کا فدیہ ادا کرنا میت کے حقوق میں سے ایک حق بھی ہے۔

روزہ کی قضا:

(ا) کسی عذر سے روزہ قضا ہوگیا تو جب عُذر جاتا رہے، جلد ادا کرلینا چاہیے، زندگی اور طاقت کا بھروسہ نہیں، قضا روزوں میں اختیار ہے کہ متواتر رکھے یا ایک ایک دو دو کرکے رکھے۔

(۲) اگر مسافر سفر سے لوٹنے کے بعد یا مریض تندرست ہونے کے بعد اتنا وقت نہ پائے کہ جس میں قضا شدہ روزے ادا کرے تو قضا اس کے ذمہ لازم نہیں، سفر سے لوٹنے اور بیماری سے تندرست ہونے کے بعد جتنے دن ملیں، اتنے ہی کی قضا لازم ہوگی۔

روزے کا کفارہ:

☆... کفارہ صرف رمضان کا روزہ توڑنے پر لازم آتا ہے، نفل یا قضا روزہ توڑنے کا کوئی کفارہ نہیں ہوتا' البتہ قضا لازم ہوتی ہے۔

☆... روزے کا کفارہ یہ ہے کہ دو ماہ کے لگاتار روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلائے یا ہر مسکین کو صدقہ فطر کے مقدار غلہ یا اس کی قیمت دے۔

☆... اگر میاں بیوی نے روزہ کی حالت میں صحبت کی تو دونوں پر الگ الگ کفارہ لازم ہوگا۔

☆... ایک رمضان کے اگر کئی روزے توڑنے کا کفارہ لازم ہوا، تو ایک کفارہ ادا کرنے (یعنی دو ماہ کے روزے رکھنے یا ساٹھ مسکینوں کو صدقہ فطر کی مقدار غلہ دینے) سے ان سب روزوں کی طرف سے کفارہ ادا ہوجائے گا۔

☆... اگر دو رمضان کے روزوں کا کفارہ لازم ہوا ہے تو وہ الگ الگ دینے سے ہی ادا ہوگا۔

روزہ کے متفرق مسائل:

☆... اگر کوئی شخص رمضان کے شروع میں کسی عرب ملک میں تھا جہاں ہندوستان سے ایک دن پہلے روزہ شروع ہوا اور پھر وہ ہندوستان آگیا تو اب مذکورہ شخص ہندوستان کے حساب سے عید کرے گا، چاہے اس کے 31 روزے ہو جائیں، زائد روزے نفلی شمار ہوں گے۔

☆... سال بھر میں پانچ دن روزہ رکھنا ممنوع ہے: عید الفطر' عید الاضحیٰ اور ایام تشریق (یعنی 11' 12 اور 13 ذو الحجہ)۔

☆... اگر کسی نے روزہ رکھنے کی نذر مانی تو اس کا ادا کرنا واجب ہے۔ اگر انسان ادا نہیں کرتا تو یہ اُس کے ذمے رہے گا، اس پر لازم ہے کہ وہ مرتے وقت اس روزہ کا فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرے۔

☆... اگر کوئی شخص رمضان میں نذر یا نفل کے روزے کی نیت کر کے روزہ رکھے تو وہ نذر اور نفل کا نہیں، بلکہ رمضان کا روزہ ہی شمار ہوگا اور نذر اور نفل کا روزہ بعد میں رکھنا پڑے گا۔

☆... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کسی نے رمضان کا روزہ بغیر کسی عذر یا بیماری کے چھوڑا تو پھر ساری عمر بھی روزہ رکھے تو اُس روزہ کے ثواب کو نہیں پہنچ سکتا، یعنی قضا کرنے سے فرض تو ادا ہوجائے گا، مگر فضائل حاصل نہیں ہوں گے۔

☆... اگر کوئی شخص روزہ رکھتا ہے، مگر نماز نہیں پڑھتا یا

گناہوں سے نہیں بچتا تو اس کے ذمے سے فرض تو ادا ہو جائے گا، مگر جو روزہ کے جملہ فضائل ہیں، اُن کا مستحق نہیں ہوگا۔

☆... امتحانات کی وجہ سے رمضان کا روزہ چھوڑنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ کوئی شرعی عذر نہیں ہے، اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو گھاٹے کا سودا کرتا ہے۔

☆... روزے دار کو افطار کرانا بڑی فضیلت کا باعث ہے، احادیث میں مذکور ہے کہ روزہ افطار کرانے والے کو بھی روزہ دار جتنا ثواب ملے گا اور روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

☆... جمعۃ الوداع (ماہِ رمضان کے آخری جمعہ) کا روزہ بھی رمضان کے باقی روزوں کی طرح ہے، اسے عمر بھر کے روزوں کی قضا کے قائم مقام سمجھنا جاہلانہ تصور ہے۔

اعتکاف:

(۱) اعتکاف اس کو کہتے ہیں کہ اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں رہے اور سوائے ایسی حاجات ضروریہ کے جو مسجد میں پوری نہ ہوسکیں (جیسے پیشاب، پاخانہ کی ضرورت یا غسل واجب اور وضو کی ضرورت) مسجد سے باہر نہ جائے۔

(۲) رمضان کے عشرۂ اخیر میں اعتکاف کرنا سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔ یعنی اگر بڑے شہروں کے محلّہ میں اور چھوٹے دیہات کی پوری بستی میں کوئی بھی اعتکاف نہ کرے تو سب کے اوپر ترکِ سنت کا وبال رہتا ہے اور کوئی ایک بھی محلّہ میں اعتکاف کرے تو سب کی طرف سے سنت ادا ہو جاتی ہے۔

(۳) بالکل خاموش رہنا اعتکاف میں ضروری نہیں؛ بلکہ مکروہ ہے؛ البتہ نیک کلام کرنا اور لڑائی جھگڑے اور فضول باتوں سے بچنا چاہیے۔

(۴) اعتکاف میں کوئی خاص عبادت شرط نہیں، نماز، تلاوت یا دین کی کتابوں کا پڑھنا پڑھانا یا جو عبادت دل چاہے کرتا رہے۔

(۵) جس مسجد میں اعتکاف کیا گیا ہے، اگر اس میں جمعہ نہیں ہوتا، تو نماز جمعہ کے لیے اندازہ کر کے ایسے وقت مسجد سے نکلے جس میں وہاں پہنچ کر سنتیں ادا کرنے کے بعد خطبہ سن سکے۔ اگر کچھ زیادہ دیر جامع مسجد میں لگ جائے، جب بھی اعتکاف میں خلل نہیں آتا۔

(۶) اگر بلا ضرورت طبعی شرعی تھوڑی دیر کو بھی مسجد سے باہر چلا جائے گا تو اعتکاف جاتا رہے گا، خواہ عمداً نکلے یا بھول کر۔ اس صورت میں اعتکاف کی قضا کرنا چاہیے۔

(۷) اگر آخر عشرہ کا اعتکاف کرنا ہو تو ۲۰/ تاریخ کو غروبِ آفتاب سے پہلے مسجد میں چلا جائے اور جب عید کا چاند نظر آجائے تب اعتکاف سے باہر ہو۔

(۸) غسلِ جمعہ یا محض ٹھنڈک کے لیے غسل کے واسطے مسجد سے باہر نکلنا مُعتکف کو جائز نہیں۔

شبِ قدر:

چونکہ اس امت کی عمریں بہ نسبت پہلی امتوں کے چھوٹی ہیں؛ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایک رات ایسی مقرر فرمادی ہے کہ جس میں عبادت کرنے کا ثواب ایک ہزار مہینہ کی عبادت سے بھی زیادہ ہے؛ لیکن اس کو پوشیدہ رکھا؛ تاکہ لوگ اس کی تلاش میں کوشش کریں اور ثواب بے حساب پائیں۔ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں شبِ قدر ہونے کا زیادہ احتمال ہے یعنی ۲۱ ویں، ۲۵ ویں، ۲۵ویں، ۲۷ویں، ۲۹ویں شب۔ اور ۲۷ویں شب میں سب سے زیادہ احتمال ہے۔ ان راتوں میں بہت محنت سے عبادت اور توبہ واستغفار اور دعا میں مشغول رہنا چاہیے۔ اگر تمام رات جاگنے کی طاقت یا فرصت نہ ہو تو جس قدر ہوسکے جاگے اور نفل نماز یا تلاوتِ قرآن یا ذکر و تسبیح میں مشغول رہے اور کچھ نہ ہو سکے تو عشاء اور صبح کی نماز جماعت سے ادا کرنے کا اہتمام کرے، حدیث میں آیا ہے کہ یہ بھی رات بھر جاگنے کے حکم میں ہو جاتا ہے، ان راتوں کو صرف جلسوں تقریروں میں صرف کر کے

سو جانا بڑی محرومی ہے، تقریریں ہر رات ہو سکتی ہیں، عبادت کا یہ وقت پھر ہاتھ نہ آئے گا۔

البتہ جو لوگ رات بھر عبادت میں جاگنے کی ہمت کریں، وہ شروع میں کچھ وعظ سن لیں، پھر نوافل اور دعا میں لگ جائیں تو دُرست ہے۔

زکوۃ کے مسائل:

مسئلہ: اگر کسی کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہے یا اس میں سے کسی ایک کی قیمت کے برابر روپیہ یا نوٹ ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ نقد روپیہ بھی سونے چاندی کے حکم میں ہے (شامی) اور سامانِ تجارت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔

مسئلہ: کارخانے اور مِل وغیرہ کی مشینوں پر زکوٰۃ فرض نہیں؛ لیکن ان میں جو مال تیار ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ فرض ہے، اسی طرح جو خام مال کارخانہ میں سامان تیار کرنے کے لیے رکھا ہے اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے (درمختار و شامی)

مسئلہ: سونے چاندی کی ہر چیز پر زکوٰۃ واجب ہے، زیور، برتن؛ حتی کہ سچا گوٹہ، ٹھپہ، اصلی زری، سونے چاندی کے بٹن، ان سب پر زکوٰۃ فرض ہے، اگرچہ ٹھپہ گوٹہ اور زری کپڑے میں لگے ہوئے ہوں۔

مسئلہ: کسی کے پاس کچھ روپیہ، کچھ سونا یا چاندی اور کچھ مالِ تجارت ہے؛ لیکن علیحدہ علیحدہ بقدر نصاب ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں ہے تو سب کو ملا کر دیکھیں اگر اس مجموعہ کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ فرض ہوگی اور اگر اس سے کم رہے تو زکوٰۃ فرض نہیں (ہدایہ)

مسئلہ: مِلوں اور کمپنیوں کے شیئرز پر بھی زکوٰۃ فرض ہے؛ بشرطیکہ شیئرز کی قیمت بقدر نصاب ہو یا اس کے علاوہ دیگر مال مِل کر شیئر ہولڈر مالک نصاب بن جاتا ہو؛ البتہ کمپنیوں کے شیئرز کی قیمت میں؛ چونکہ مشینری اور مکان اور فرنیچر وغیرہ کی لاگ بھی شامل ہوتی ہے جو درحقیقت زکوٰۃ سے مستثنٰی ہے؛ اس لیے اگر کوئی شخص کمپنی سے دریافت کر کے جس قدر رقم اس کی مشینری اور مکان اور فرنیچر وغیرہ میں لگی ہوئی ہے، اُس کو اپنے حصے کے مطابق شیئرز کی قیمت میں سے کم کر کے باقی کی زکوٰۃ دے تو یہ بھی جائز اور درست ہے۔ سال کے ختم پر جب زکوٰۃ دینے لگے اس وقت جو شیئرز کی قیمت ہوگی وہی لگے گی۔ (درمختار و شامی)

مسئلہ: پراویڈنٹ فنڈ جو ابھی وصول نہیں ہوا اُس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے؛ لیکن ملازمت چھوڑنے کے بعد جب اس فنڈ کا روپیہ وصول ہوگا، اس وقت اس روپیہ پر زکوٰۃ فرض ہوگی، بشرطیکہ یہ رقم بقدرِ نصاب ہو یا دیگر مال کے ساتھ مل کر بقدر نصاب ہو جاتی ہو وصولیابی سے قبل کی زکوٰۃ پراویڈنٹ کی رقم پر واجب نہیں، یعنی پچھلے سالوں کی زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔

مسئلہ: صاحب نصاب اگر کسی سال کی زکوٰۃ پیشگی دے دے تو یہ بھی جائز ہے؛ البتہ اگر بعد میں سال پورا ہونے کے اندر مال بڑھ گیا تو اس بڑھے ہوئے مال کی زکوٰۃ علیحدہ دینا ہوگی۔ (درمختار و شامی)

جس قدر مال ہے اس کا چالیسواں حصہ دینا فرض ہے یعنی ڈھائی فیصد مال دیا جائے گا۔

مسئلہ: ایک ہی فقیر کو اتنا مال دے دینا کہ جتنے مال پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، مکروہ ہے؛ لیکن اگر دے دیا تو زکوٰۃ ادا ہو گئی اور اس سے کم دینا بغیر کراہت کے جائز ہے۔ (ہدایہ ج ۱)

مسئلہ: زکوٰۃ ادا ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ جو رقم کسی مستحقِ زکوٰۃ کو دی جائے وہ اس کی کسی خدمت کے معاوضہ میں نہ ہو۔

مسئلہ: ادائیگی زکوٰۃ کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کسی مستحق زکوٰۃ کو مالکانہ طور پر دے دی جائے، جس میں اس کو ہر طرح کا اختیار ہو، اس کے مالکانہ قبضہ کے بغیر زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

مسئلہ: زکوۃ میں نقدی دینا ہی ضروری نہیں؛ بلکہ سامان خورد ونوش یا کوئی بھی چیز دی جاسکتی ہے۔جس کوزکوۃ دی جارہی ہے، اسے یہ بتانا بھی ضروری نہیں کہ یہ زکوۃ کا مال ہے۔والدین/ اولاد اور شوہر/ بیوی کے علاوہ تمام رشتہ داروں بہن، بھائی، پھوپھی، خالہ وغیرہ،سب کوزکوۃ دی جاسکتی ہے۔

مسئلہ: یہ بات سمجھنے کی ہے کہ ہر ہر روپے پر پورا سال گزرنا نہیں ہوتا، مثلا اگر کوئی شخص یکم رمضان کوصاحب نصاب ہوا، تو اب جب اگلا رمضان آئے گا، تو اس وقت جتنی مالیت اس کے پاس موجود ہوگی، اس پرزکوۃ فرض ہوگی، درمیان سال میں کیا آیا، کیا گیا، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اورنہ اس کا حساب لگانے کی ضرورت ہے، چنانچہ اگر یکم رمضان کو وہ صاحب نصاب ہوا اور اگلے سال اسی تاریخ کو اس کے پاس دس لاکھ روپے ہیں، چاہے اس میں سے کچھ ابھی چند دن پہلے ہی کیوں نہ آئے ہوں تو اس پر پورے ان دس لاکھ کی زکوۃ فرض ہوگی۔

صدقۂ فطر:

عیدالفطر کے دن ایک متعین مقدار کامحتاجوں اورضرورت مندوں کودیناواجب ہے اسی کوصدقۃ الفطر کہتے ہیں، صدقۂ فطر ادا کر دینے سے روزہ مقبول ہوتا ہے، رمضان کی نعمت سے سرفراز ہونے کا شکریہ بھی ادا ہوجاتا ہے اور عید کی خوشی میں ان لوگوں کی بھی شرکت ہوجاتی ہے جو معاشی کسمپرسی کی وجہ سے پوری طرح اس موقع سے مسرور نہیں ہو پاتے ہیں۔

ہرآزاد مسلمان مالک نصاب پرصدقۂ فطر واجب ہے، اس کے واجب ہونے کے لئے مال پر ایک سال گزرجانا شرط نہیں ہے۔نہ ہی مال کا تجارتی ہونا شرط ہے، اور نہ ہی صاحب مال کا عاقل وبالغ ہونا شرط ہے، حتی کہ نابالغ بچوں اور مجنونوں پر بھی صدقۂ فطر واجب ہے، ان کے اولیاء کو ان کی طرف سے ادا کرنا چاہئے، اسی طرح بالغ اولاد اگر مالک نصاب نہ تو بھی ان کے اولیاء پرضروری ہے کہ ان کی طرف سے ادا کریں۔

صدقۂ فطر کے واجب ہونے کے لئے روزہ دار ہونا شرط نہیں ہے، چنانچہ جس نے رمضان کے روزے نہ رکھے ہوں چاہے عذر کی وجہ سے یا بلاعذر اس پر بھی یہ صدقہ واجب ہے۔

صدقۂ فطر کے مستحقین بھی وہی ہیں جو زکوۃ اور عشر کے ہیں، ان کے سوا کسی اور کوصدقۂ فطر دینا جائز نہیں۔

اس کا وجوب عیدالفطر کی فجر طلوع ہونے پر ہوتا ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ رمضان یا اس سے پہلے ادا کر دیا جائے تاکہ جس مقصد سے تحت کسی کو دیا جارہا ہے وہ اس کو پورا کر سکے، ہمارے یہاں عموما عید کے دن ہی ادائیگی کا رواج ہے، ضرورت ہے کہ اسے بدلا جائے تاکہ مستحقین پوری طرح اس سے فائدہ اٹھاسکیں۔

صدقۂ فطر میں گیہوں، یا اس کا آٹا اور ستو آدھا صاع ادا کرنا واجب ہے اور چھوہارے، منقی اور جو کا ایک صاع یا اس کی قیمت کے برابر نقدی یا کوئی سامان دے دے، آج کل کے حساب سے ایک صاع ۳،۱۸۰ (تین کلوایک سواسی گرام) کے برابر ہے۔

ایک اہم بات: ہمارے معاشرے میں عموماً نقدی ادا کی جاتی ہے اور اس کا حساب گیہوں کی قیمت سے لگایا جاتا ہے، مگر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں جب یہ احکام مقرر کیے جارہے تھے گیہوں کی قیمت چھوہارے اور منقی وغیرہ سے دونی (ڈبل) ہوتی تھی اسی لئے چھوہارے وغیرہ میں ایک صاع اور گیہوں میں اس کا نصف یعنی آدھا صاع مقرر کیا گیا تھا،

مگر آج جبکہ گیہوں کی قیمت چھوہارے وغیرہ سے بہت زیادہ گرگئی ہے تو ان لوگوں کو چاہیے جو وسعت رکھتے ہیں کہ چھوہارے اور منقی وغیرہ کی قیمت دیا کریں کیوں کہ حدیث میں آتا ہے کہ جب اللہ تمہیں وسعت عطا کرے تو تم بھی وسعت سے کام لو۔اگر چہ صدقۂ فطر گیہوں کی قیمت سے بھی ادا ہوجائے گا مگر وسعت سے کام لینا بہرحال مستحب ہے۔

☆☆☆

❑ گوشۂ رمضان

تراویح: احکام ومسائل

مولانا محمد قمرالزماں ندوی
جنرل سکریٹری: مولانا علاء الدین ایجوکیشنل سوسائٹی، جھارکھنڈ

نماز تراویح کا حکم:

تراویح کی نماز مردوں اور عورتوں کے لیے مسنون ہے، جماعت سے تراویح پڑھنا سنت کفایہ ہے اور تراویح کا وقت عشاء کی نماز کے بعد ہے اور تراویح پر وتر کا مقدم کرنا بھی صحیح ہے اور مؤخر کرنا بھی۔ تہائی رات تک تراویح کو موخر کرنا مستحب ہے، اور صحیح مذہب کے بموجب نصف شب کے بعد تراویح کا موخر کرنا مکروہ نہیں ہے۔ تراویح کی بیس رکعت ہیں دس سلاموں کے ساتھ، اور ہر چار رکعت کے بعد ان چار رکعات کی مقدار بیٹھنا مستحب ہے۔ تراویح مردوں اور عورتوں سب کے لئے سنتِ موکدہ ہے۔ مگر عورتوں کے لئے جماعت سنت موکدہ نہیں۔

عورتیں بھی اگر تراویح کو بلا عذر ترک کردیں، تو ترکِ سنت کا گناہ ہوگا۔ (نورالایضاح ۹۹، کفایۃ المفتی ج ۳، ص ۳۶۱)۔

عورتوں کو یہ نماز گھر میں پڑھنی چاہئے اور مردوں کو مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرنا سنت ہے، اگر کسی محلے یا گاؤں کی مسجد میں کوئی شخص بھی نماز تراویح جماعت سے نہ پڑھے، تو پورے محلے اور گاؤں والے سنت چھوڑنے کی وجہ سے گنہگار رہوں گے۔ (عالمگیری ۱/۱۱۶)

تراویح کے چند ضروری أحکام:

(۱) نماز تراویح میں ایک بار پورا قرآن مجید ختم کرنا سنت ہے۔ (۲) ختم قرآن کے موقع پر حافظ کو بطور اجرت رقم وغیرہ دینا شرعاً ناجائز اور حرام ہے، البتہ حافظ کو لقمہ دینے کے لئے جو سامع ہوا اسے رقم وغیرہ دینا اور اس کا لینا جائز ہے۔ (امدادالفتاویٰ ۱:۳۲۹)

(۳) نماز تراویح کی جماعت شروع ہو چکی تھی، تو اسے چاہئے کہ پہلے عشاء کی فرض اور سنتیں پڑھے، پھر تراویح کی جماعت میں شریک ہو، اس دوران جتنی رکعتیں تراویح کی رہ جائیں، انہیں وتر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے سے پہلے پورا کیا جائے۔ (۵) نابالغ کو نماز تراویح میں امام بنانا جائز نہیں۔ (۶) اگر کسی شخص کی داڑھی ایک مشت سے کم ہو یا وہ منڈواتا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا خواہ تراویح کی ہو مکروہ تحریمی ہے۔ (۷) اگر تراویح کی جماعت چند لوگ جمع ہو کر گھر پر کرائیں تو اس سے بھی جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی اور جماعت سے تراویح پڑھنے کی سنت بھی ادا ہو جائے گی، لیکن مسجد میں پڑھنے کا جو ستائیس درجہ ثواب ہے وہ نہیں ملے گا۔ (۸) اگر نماز تراویح کی کچھ رکعتیں فاسد ہو جائیں تو جب ان کو دوبارہ پڑھا جائے گا تو ان رکعتوں میں جس قدر قرآن مجید پڑھا گیا ہے اس کو بھی دوبارہ پڑھنا ہوگا تاکہ پورا قرآن مجید صحیح نماز میں ختم ہو۔

نماز تراویح کی رکعات:

نماز تراویح کی رکعات کی تعداد کیا ہے؟ اس کی تصریح

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً یا فعلاً کسی صحیح اور معتبر حدیث سے ثابت نہیں ہے، اتنی بات تو درست ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن تراویح کی جماعت کرائی، لیکن اس میں کتنی رکعتیں پڑھائیں، اس کا ذکر صحیح روایت میں نہیں آتا، اور بعد میں آپؐ نے اس اندیشے سے جماعت ترک فرمادی کہ کہیں امّت پر یہ نماز لازم اور ضروری نہ کردی جائے۔

جن روایات میں آٹھ رکعات کا ذکر ہے، وہ نماز تراویح سے متعلق نہیں بلکہ تہجد سے متعلق ہیں، اس لئے اس طرح کی روایات سے نماز تراویح کی آٹھ رکعات پر استدلال کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں صحابہ کرامؓ یہ نماز الگ الگ پڑھا کرتے تھے اور کبھی کبھی دودو، چار چار آدمی جماعت کر لیتے تھے۔ باقاعدہ جماعت کا رواج خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں ہوا۔

نیز حضرت عمر فاروقؓ نے صحابہ کے مشورہ سے نماز تراویح کی بیس رکعتیں مقرر فرمائیں، اسی وجہ سے چاروں ائمۂ فقہ وحدیث (امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد حنبلؒ) اور تمام مجتہدین ومحدثین جماعت کے ساتھ بیس رکعات تراویح کے سنت مؤکدہ ہونے پر متفق ہیں۔

نماز تراویح پڑھنے کا صحیح طریقہ:

نماز تراویح پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت سنت تراویح کی نیت کی جائے اور ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر بیٹھا جائے، بہتر یہ ہے جتنی دیر میں چار رکعتیں پڑھی گئی ہیں، اتنی دیر بیٹھا جائے، اس بیٹھنے کے دوران خاموش بھی بیٹھ سکتے ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ اس میں کچھ ذکر وتسبیح کی جائے۔ اگر تراویح کی دوسری رکعت کے بعد بیٹھنا بھول جائے اور چار رکعتیں پڑھ لے تو صحیح قول کے مطابق اس کی آخری دو رکعت تراویح اور پہلی دو رکعتیں نفل ہوں گی۔ لہٰذا پہلی دو رکعتوں میں جو آیات تلاوت کی گئی ہیں، ان کو دوبارہ پڑھا جائے گا۔ اگر دو رکعت کے بعد قعدہ کر لیا، پھر اس کے ساتھ تیسری اور چوتھی رکعتیں شامل کر لی ہیں تو ایسی صورت میں چاروں رکعتیں تراویح شمار ہوں گی۔ مگر ایسا معمول نہ بنایا جائے، کیونکہ یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے۔ (فتاویٰ قاضی خان ۱:۳۰۔ خیر الفتاویٰ ۲:۵۲)

کیا حافظہ عورت رمضان میں تراویح کی جماعت کرا سکتی ہے

خواتین گھر میں جمع ہوکر کسی خاتون کی اقتداء میں تراویح پڑھ لیں، تو دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے، ایک یہ کہ آواز اتنی بلند نہ ہو کہ غیر محرم مردوں تک پہنچے، دوسرے اتنی دور سے نہ آتی ہوں کہ فتنہ یعنی راستہ میں چھیڑ چھاڑ یا بدنگاہی وغیرہ کا اندیشہ ہو، مگر اس کے باوجود ان کے لئے تنہا نماز تراویح پڑھنا زیادہ باعث ثواب ہے۔

البتہ اس صورت میں امامت کرنے والی عورت صف سے آگے کھڑی ہونے کے بجائے، پہلی صف کے وسط میں کھڑی ہوگی، جیسا کہ حضرت عائشہؓ کا معمول منقول ہے، وہ رمضان المبارک کے مہینہ میں خواتین کی امامت فرمایا کرتی تھیں اور صف کے بیچ میں کھڑی ہوتی تھیں۔ (کتاب الآثار: لامام محمد: ۱:۶۰۲، کتاب الفتاوی جلد ۲، ص ۳۹۷)۔

جو عورت حافظۂ قرآن ہو اور تراویح میں سنائے بغیر یاد رکھنا اس کے لئے مشکل ہو اور بھولنے کا قوی اندیشہ ہو، وہ اگر رمضان میں قرآن سنانے کے لئے گھر میں خواتین کی تراویح کی جماعت کرادے تو اس کی گنجائش ہے۔

ایک یا تین یا سات راتوں میں قرآن کریم ختم کرنا:

اگر ایک یا تین یا سات راتوں میں تراویح کے اندر قرآن کریم اس طرح ختم کیا جائے کہ وہ تجوید کے مطابق ہو، الفاظ کی ادائیگی بالکل صحیح ہو حروف کاٹ کر نہ پڑھے جائیں،

صرف یعلمون تعلمون سنائی نہ دے بلکہ قرآن کریم سننے والوں کو لفظ بلفظ سمجھ میں آئے اور نمازی خوش دلی سے اس میں شریک ہوں تو اس طرح ختم کرنا جائز ہے، شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر قرآن کریم صاف اور صحیح طریقے سے نہ پڑھا جائے، حروف کٹنے لگیں اور یعلمون تعلمون ہی سنائی دے جیسا کہ بعض علاقوں میں صورتحال بالکل اسی طرح ہے تو پھر اس طرح پڑھنا درست نہیں ہے، اس سے اجتناب کرنا لازم ہے، یہ قرآن مجید کی سراسر بے ادبی ہے۔ (فقہی رسائل ۱:۲۸۴)

مروجہ شبینہ کا حکم:

ماہ رمضان میں مسجدوں یا گھروں میں ایک رات یا تین راتوں میں جو شبینہ ہوتا ہے، اگر اس میں مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں تو جائز ہے۔

(۱) قرآن مجید صاف صاف پڑھا جائے۔ (۲) شبینہ تراویح میں پڑھا جائے کیونکہ نوافل میں جائز نہیں ہے۔ (۳) تمام نمازی اس میں خوش دلی اور ذوق وشوق سے شریک ہوں۔ عملاً سستی لاپرواہی اور بے توجہی کا مظاہرہ نہ ہو۔ (۴) پڑھنے اور سننے میں دکھاوا، نام ونمود، ریاکاری اور اپنی برتری ثابت کرنا مقصود نہ ہو۔ (۵) ضرورت سے زیادہ پانی یا مسجد کی بجلی استعمال نہ کیا جائے اور آلۂ مکبر الصوت (Loud Speaker) بھی بغیر ضرورت کے استعمال نہ کیا جائے۔ (۶) قاری صاحبان محض اللہ کی رضا کے لئے قرآن سنائیں، اس کے لئے اجرت یا عرف ورواج کے دستور کے مطابق رقم وغیرہ لینا شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔ (۷) سننے والے پورے ادب واحترام سے قرآن مجید سنیں لیکن تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ مروجہ شبینہ میں ان شرائط کا بالکل اہتمام نہیں کیا جاتا ہے بلکہ قدم قدم پر ان کو پامال کیا جاتا ہے، قرآن مجید نہایت تیز رفتاری سے پڑھا جاتا ہے، قواعد وتجوید تو درکنار، حروف کو اپنے مخارج سے بھی ادا نہیں کیا جاتا، اکثر حروف کو کاٹ کاٹ کر پڑھا جاتا ہے اور یعلمون تعلمون کے سوا کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور عجیب بات یہ کہ جلدی فراغت کی خاطر سب لوگ اسے پسند کرتے ہیں، حالانکہ تجوید کے خلاف قرآن مجید پڑھنا جائز نہیں ہے۔

تراویح میں ثنا اور تعوذ:

تراویح کی نماز میں بھی ہر دو رکعت کے شروع میں ثناء اور بسم اللہ پڑھنے کا وہی حکم ہے جو دوسری نمازوں میں ہے۔ اس لیے عجلت کی وجہ سے ثناء اور تعوذ کا چھوڑنا درست نہیں ہے۔ علامہ ابن نجیم مصریؒ نے ان کے چھوڑنے کو نماز تراویح کے منکرات میں شمار کیا ہے۔ "مع اشتمالها علی ترك الثناء والتعوذ والبسملة فی اول كل شفيع" (البحر الرائق: ۶۹/۲، بحوالہ کتاب الفتاوی کی جلد دوم صفحہ ۳۹۱)۔

روزہ نہ رکھنے والے کے لئے تراویح کا حکم:

روزہ مستقل عمل ہے اور نماز تراویح مستقل عمل ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "اس ماہ کے روزے فرض کیے گئے ہیں، اور رات کا قیام یعنی تراویح نفل ہے"۔ معلوم ہوا کہ یہ دو مستقل عمل ہیں، اگر کسی وجہ سے آدمی ایک عمل سے معذور ہو تو اس کی وجہ سے دوسرا عمل معاف نہیں ہوسکتا ہے۔ اس لئے جو شخص روزہ نہ رکھ پائے، اسے بہرحال تراویح ادا کرنی چاہیے، ورنہ ترک سنت کی وجہ سے وہ عنداللہ جوابدہ ہوگا۔ (مستفاد کتاب الفتاویٰ، جلد دوم، صفحہ ۲۹۳)۔

تراویح میں بسم اللہ کا حکم:

بسم اللہ ایک مستقل آیت ہے جو سورتوں کے درمیان فصل پیدا کرنے کے لئے نازل کی گئی ہے، سورتوں کا جز نہیں ہے، اس لئے سورتوں کے شروع میں اسے آہستہ پڑھا جائے گا حدیث سے بھی ایسا ہی ثابت ہے، البتہ تراویح میں کہیں ایک جگہ زور سے پڑھ لینا چاہیے، تاکہ قرآن مکمل ہوجائے، ناقص نہ رہے۔ کسی بھی سورہ کے شروع میں ایک بار جہری پڑھ لے، بعض لوگ سورۂ اخلاص سے پہلے اس کو جہری پڑھنا ضروری

خیال کرتے ہیں جو درست نہیں۔

تراویح میں یکبارگی بیس رکعات کی نیت کرنا:

بہتر تو یہ ہے کہ تراویح پڑھنے والا ہر دو رکعت پر نیت کرے ؛لیکن اگر کسی شخص نے یکبارگی تراویح کی بیس رکعت کی شروع میں نیت کرلی تو کافی ہوجائے گی۔ مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری لکھتے ہیں:

تراویح کے لئے شروع میں بیس رکعت کی نیت کافی ہے، ہر دو رکعت پر نیت کرنا شرط نہیں،مگر بہتر ہے۔(فتاویٰ حمید جلد ششم صفحہ ۲۲۸)۔

تراویح میں نابالغ بچہ کے لقمہ کا حکم:

اگر کوئی بچہ تراویح میں امام صاحب کے بھول جانے پر لقمہ دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا اس سے نماز فاسد ہوجائے گی؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر بچہ نماز میں ہو اور لقمہ دے دے، تو نماز فاسد نہ ہوگی؛ لیکن اگر بچہ نماز میں شامل نہیں تھا اور اس نے لقمہ دے دیا تو اس صورت میں سب کی نماز فاسد ہوجائے گی۔

جس نے عشاء کی نماز نہ پڑھی ہو اس کے پیچھے تراویح کا حکم:

جس نے عشاء کی نماز نہ پڑھی ہو اس کے پیچھے تراویح کی نماز درست نہیں ہے، اگر ایسے شخص کے پیچھے تراویح کی نماز پڑھی گئی ہو تو اسی وقت تراویح کی نماز کا اعادہ کرلینا چاہیے۔ اگر اعادہ نہ کیا گیا تو بعد میں صبح صادق سے پہلے تنہا تنہا پڑھی جاسکتی ہے۔ لیکن صبح صادق کے بعد اس کی قضا نہیں ہے۔ ایسی صورت میں صرف استغفار کرنا ہی ایک راستہ ہے۔ اس رات جو بھی قرآن پڑھا گیا اس کو دوسرے دن تراویح میں لوٹایا جائے۔

جس نے عشا کی نماز تنہا پڑھی ہو وہ تراویح اور وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے:

جس شخص نے عشاء کی نماز تنہا پڑھی ہو وہ تراویح باجماعت پڑھ سکتا ہے۔ فتاویٰ رحیمیہ میں لکھا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ جس نے عشاء کی نماز تنہا پڑھی ہو وہ تراویح اور وتر باجماعت پڑھ سکتا ہے۔ ”واذا لم يصل الفرض مع الإمام قيل لا يتبعه في التراويح ولا في الوتر، وكذا إذا لم يصل معه التراويح لا يتبعه في الوتر، والصحيح أنه يجوز أن يتبعه في ذلك كله الخ ۔(صغیری ص۲۱۰ صلاۃ التروایح بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ جلد ششم صفحہ ۲۴۱)

سنت ادا کئے بغیر تراویح میں شامل ہونا:

اگر کوئی شخص عشاء کی نماز پڑھ کر تراویح شروع ہونے کی وجہ سے سنت پڑھے بغیر تراویح میں شریک ہوگیا تو اس کا یہ عمل جائز ہے، سنتیں تراویح اور وتر کے بعد پڑھ لے۔ مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ ایک استفتا کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:” صورت مسئلہ میں سنتیں چھوڑ کر تراویح میں شامل ہوجانا چاہیے۔ سنتیں بعد میں پڑھ لے“۔ فقط واللہ اعظم بالصواب۔(فتاویٰ رحیمیہ جلد ۶، صفحہ ۲۴۲)۔

تراویح کس مسجد میں پڑھی جائے ؟

نماز خواہ کوئی بھی ہو، مسجد محلّہ کا حق زیادہ ہے، البتہ اگر کوئی شخص اپنے محلّہ کی مسجد کو چھوڑ کر دوسری کسی مسجد میں تراویح پڑھنا چاہے اور اس شخص کے دوسری جگہ نماز پڑھنے سے محلّہ کی جماعت باقی رہتی ہے اور یہ مسجد تراویح سے محروم نہیں رہتی، تو اس کی گنجائش ہے۔ نیز اپنی کسی سہولت یا امام کے زیادہ متقی اور اچھے ہونے یا قرآن کے زیادہ حصہ کی تلاوت کرنے کی وجہ سے دوسری مسجد میں تراویح کی نماز ادا کرے، تو اس کی بھی گنجائش ہے۔(مستفاد کتاب الفتاویٰ جلد ۲ رصفحہ ۴۰۰)۔

ایک مسجد میں تراویح کی دو یا تین جماعتیں:

آج کل ایسا دیکھا جاتا ہے کہ بعض مسجدوں میں بیک وقت تراویح کی دو جماعتیں ہوتی ہیں، ایک اوپر کی منزل میں اور ایک نیچے، یا ایک اندر اور ایک صحن میں، ایک جگہ زیادہ قرآن پڑھا جاتا ہے اور دوسری جگہ کم ، یہ صورت بہتر نہیں ہے

بلکہ فقہاء نے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی ایک استفتا کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''تراویح میں قرآن کی کتنی مقدار پڑھی گئی؟ اس سے زیادہ اہمیت اجتماعیت کو برقرار رکھنے کی ہے، کثرتِ جماعت سے مسلمانوں کی اجتماعیت کا اظہار ہوتا ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ کے دور میں چھوٹی چھوٹی علاحدہ جماعتیں ہوا کرتی تھیں، آپؓ نے اس سلسلہ کو ختم فرما کر ایک جماعت کردی، اور حضرت ابی بن کعبؓ کو اس کا امام مقرر فرمایا، اسی طرح فقہاء نے یکے بعد دیگرے بھی ایک مسجد میں تراویح کی دو جماعتوں کو مکروہ قرار دیا ہے۔'' ولو صلی التراویح مرتین فی مسجد واحد یکره '' لہذا بیک وقت دو جماعتیں تو بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوں گی''۔ (کتاب الفتاویٰ جلد۲، صفحہ۴۰۲)۔

فرض عشاء جماعت کے ساتھ پڑھ کر کچھ لوگوں کا علیحدہ جگہ تراویح پڑھنا:

بعض جگہ یہ معمول ہے کہ محلّہ کے لوگ عشاء کی نماز مسجد میں باجماعت ادا کرتے ہیں، اس کے بعد کچھ حفاظ مدرسہ کی عمارت میں یا محلّہ والوں کے کسی گھر میں تراویح پڑھاتے ہیں، جہاں تھوڑے اور مصلی بھی شامل ہوجاتے ہیں اور وہیں وتر بھی پڑھتے ہیں، ایسا کرنے کا مقصد اور نیت قرآن کی حفاظت ہے، تو کیا اس نیت سے تراویح کی الگ الگ جماعتیں کرنا از روئے شرع درست ہے؟

مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''عشاء کی فرض نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرکے چند حفاظ اور ان کے ساتھ کچھ مصلی تراویح اور وتر مدرسہ کی عمارت میں جماعت کے ساتھ اس مقصد سے پڑھتے ہیں جو سوال میں مذکور ہے، مسجد کی جماعت سے تخلف مقصود نہیں ہے، اس لئے یہ صورت جائز ہے، ممنوع نہیں۔ مدرسہ میں باجماعت ادا کرنے سے جماعت کا ثواب مل جائے گا۔ البتہ مسجد کی فضیلت حاصل نہ ہوگی۔ اس کی تلافی حفاظت قرآن کے مقصد سے پوری ہوجائے گی۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

تراویح میں لقمہ:

اگر امام یا تراویح پڑھانے والا قرآن پڑھنے میں بھول ہوجاتی ہے تو مقتدی لقمہ دے سکتا ہے، لقمہ دیتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ امام مزید التباس میں نہ پڑ جائے، یعنی اگر امام صحیح طور پر پڑھنے کی کوشش کررہا ہو تو اولاً اس کو موقع دیا جائے، اگر امام نہ پڑھ پائے تو لقمہ دیا جائے، لقمہ کوئی ایک شخص دے اور اس طرح پڑھے کہ امام کو سمجھ میں آجائے، جو شخص نماز میں شریک نہ ہو اس کو لقمہ نہ دینا چاہیے، اور اگر اس نے لقمہ دے ہی دیا اور امام نے قبول کرلیا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔''وان فتح غیر المصلی علی المصلی فأخذ بفتحه تفسد، كذا فی منیة المصلی ''(الفتاوی الهندیہ:۱، ۹۹، باب مایفسد الصلاۃ الخ)۔

چند حفاظ مل کر تراویح پڑھائیں:

مناسب اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ ایک ہی امام پوری بیس رکعتیں پڑھائے، اگر دو امام پڑھائیں تو مستحب ہے کہ پہلا امام ترویحہ مکمل ہونے پر دوسرے امام کو آگے بڑھائے، مثلاً وہ آٹھ رکعت پڑھائے اور دوسرا بارہ رکعت یا وہ بارہ رکعات پڑھائے اور دوسرا آٹھ رکعت۔ فتاوی ہندیہ میں ہے'' والأفضل أن یصلی التراویح بإمام واحد فإن صلوها بإمامین فالمستحب أن یکون انصراف کل واحد علی کمال الترویحة ،فان انصرف علی تسلیمة لا یستحب ذلك فی الصحیح ''۔(فتاویٰ ہندیہ جلد۱، ص۱۷۴، فصل فی التراویح)۔

عشاء، وتر اور تراویح علیحدہ امام پڑھائیں؟

بعض مسجدوں میں ایسا ہوتا ہے کہ جو مسجد کے مستقل امام ہوتے ہیں وہ عشاء اور وتر پڑھاتے ہیں اور حافظ صاحب تراویح، یہ صورت بھی جائز ہے، چنانچہ راویت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ رمضان میں عشاء اور وتر خود پڑھایا کرتے تھے اور نمازِ تراویح حضرت ابی بن کعبؓ پڑھایا کرتے تھے۔'' وقد كان عمر رضى الله عنه يؤمهم فى الفريضة وكان أبيؓ يؤمهم فى التراويح''(الفتاویٰ الہندیہ ۱/۱۱۶)۔

تراویح کی رکعتیں کیسی ہوں؟

عام طور پر حفاظ کرام شروع کی رکعتوں میں قرآن کی زیادہ مقدر پڑھتے ہیں اور اخیر کی رکعتوں میں مختصر قرآن پڑھتے ہیں، ایسا کرنے سے نماز کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے؛ لیکن بہتر طریقہ یہ ہے کہ تمام ترویحات میں قرآن برابر پڑھا جائے، البتہ ایک میں زیادہ اور ایک کم پڑھنے میں بھی قباحت نہیں، بشرطیکہ مصلیوں (نمازیوں) کو اس سے بوجھ نہ ہوتا ہو۔ ''الافضل تعديل القراءة بين التسليمات فإن خالف فلا بأس به ''(کتاب الفتاویٰ الہندیہ، ۱/۱۱۷)۔

تراویح کی قضا کب تک؟

اگر کسی شخص کی تراویح چھوٹ جائے تو اسی شب میں صبح ہونے سے پہلے پہلے کسی بھی وقت تراویح ادا کرلے، لیکن اگر رات گزر گئی اور اگلا دن شروع ہوگیا، تو اب تراویح کی قضا کی گنجائش نہیں، نہ تنہا اور نہ جماعت کے ساتھ۔ بس اب اپنی کوتاہی پر استغفار کرے۔

تراویح کی پہلی رکعت میں بیٹھ کر کھڑا ہونا:

سوال: امام نے تراویح کی پہلی رکعت کے بعد کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھنے کا ارادہ کیا، پیچھے سے اشارہ کیا گیا، تو وہ سیدھے کھڑے ہوگئے، دو رکعت پوری ہونے کے بعد سلام پھیرا، سجدہ سہو نہیں کیا، تو نماز ہوئی یا نہیں، اگر نہیں ہوئی تو علم ہونے پر جماعت سے ادا کریں یا تنہا؟

جواب: اس صورت میں نماز ہوگئی، لوٹانے کی ضرورت نہیں اور سجدہ سہو لازم نہیں ہوا؛ کیوں کہ ایک رکعت کے بعد اگر کسی قدر بیٹھ کر کھڑا ہوجائے تو اس کو بھی فقہاء نے جائز لکھا ہے۔ چہ جائیکہ محض بیٹھنے کا اردہ کیا ہو اور پورے طور بیٹھا بھی نہ ہو کہ کھڑا ہوگیا، تو اس صورت میں نہ سجدہ سہو لازم ہے نہ نماز کے لوٹانے کی ضرورت ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ج۴ ص۲۷۷، بحوالہ ردالمختار باب صفۃ الصلوۃ ج۱ ص ۴۳۸)۔

پہلی رکعت اور تیسری رکعت میں کتنی دیر بیٹھنے سے سجدہ سہو لازم آتا ہے؟

سوال: اگر پہلی یا تیسری رکعت میں سہواً بیٹھ کر کھڑا ہوجائے تو کتنے وقفہ سے سجدہ سہو لازم ہوگا؟

جواب: طویل بیٹھنے سے سجدہ سہو لازم آتا ہے بقدر التحیات پڑھنے کے مانند یا اس کے قریب ہو، باقی تھوڑے بیٹھنے سے سجدۂ سہو لازم نہیں آتا۔ (فتاویٰ دارالعلوم ج۴ ص۲۷۷ بحوالہ ردالمختار ج۱ ص۴۲۸ باب صفۃ الصلوۃ)۔

اگر تین رکعت پڑھ لیں تو کیا حکم ہے؟

سوال: حافظ صاحب دوسری رکعت پر نہیں بیٹھے اور تین رکعت پر قعدہ کرکے سلام پھیر دیا تو اس صورت میں تراویح ہوجائے گی یا نہیں؟

جواب: ایسی سورت میں نماز کا اعادہ ضروری ہے۔ تین رکعت نفل کا اعتبار نہیں ہوگا اور جو قرآن شریف پڑھا گیا ہے اس کا بھی لوٹانا ضروری ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج۴ ص۴۲۰، بحوالہ شامی ج۱ ص۶۵۲)۔

دوسری رکعت میں بھول کر کھڑا ہوگیا:

سوال: اگر تراویح کی دوسری رکعت کے بعد بیٹھنے کے بجائے کھڑا ہوگیا، بعد میں یاد آئے تو کیا کرے؟

جواب: سجدہ سے پہلے پہلے اگر یاد آجائے تو بیٹھ جائے اور سجدہ سہو کرلے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ج۴ ص۲۷۵،

بحوالہ ردالمختار باب سجود السہو ج ا ص ۶۹۶)۔

اس مسئلہ کی تشریح امداد الفتاویٰ کے حاشیہ پر اس طرح ہے کہ اگر تراویح میں دوسری رکعت کے بعد قعدہ بھول کر کھڑا ہوجائے تو جب تک تیسری رکعت کا سجدہ آ گیا ہو بیٹھ جائے اور با قاعدہ سجدہ سہو کر کے نماز پوری کرلے اور اگر تیسری رکعت کا سجدہ کرلیا ہو، تو چوتھی رکعت ملا کر سجدہ سہو کر کے سلام پھیر لے؛ لیکن یہ چار رکعت صرف دو شمار ہوں گی اور پہلے شفعہ میں جو قرآن شریف پڑھا گیا اس کا اعادہ کرنا ہوگا کیوں کہ پہلا شفعہ قعدۂ اولیٰ ترک کرنے کی وجہ سے فاسد ہوگیا ہے، لہذا تراویح میں شمار نہیں ہوگا۔ اور اس میں پڑھے گئے قرآن شریف کا اعادہ ضروری ہوگا۔ اور چونکہ تحریمہ باقی ہے اس لئے دوسرا شفعہ صحیح ہوجائے گا۔ اور اس میں پڑھا ہوا قرآن بھی معتبر ہوگا۔ (حاشیہ امداد الفتاویٰ ج ا ص ۴۹۷)۔

(نوٹ: آگے تمام مسائل مولانا یوسف لدھیانوی صاحب کی کتاب "آپ کے مسائل اور ان کا حل" سے ماخوذ ہیں)۔

تراویح میں خلاف ترتیب سوتیں پڑھی جائیں تو کیا سجدہ سہو لازم ہوگا؟

سوال: تراویح میں اَلَم ترکیف سے قل اَعوذ برب الناس تک پڑھی جاتی ہے۔ کیا ان کو سلسلے وار ہر رکعت میں پڑھا جائے؟ اگر بھول کر آگے پیچھے ہوجاتی ہے تو کیا سجدہ سہو لازم ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب: نماز میں سورتوں کو قصداً خلاف ترتیب پڑھنا مکروہ ہے مگر اس سے سجدہ سہو لازم نہیں آتا اور اگر بھول کر خلاف ترتیب پڑھ لے تو کراہت بھی نہیں۔

تراویح میں اگر مقتدی کا رکوع چھوٹ گیا تو نماز کا کیا حکم ہے؟

سوال: تراویح میں امام صاحب نے کہا کہ دوسری رکعت میں سجدہ ہے، لیکن دوسری رکعت میں امام نے نہ جانے کس مصلحت کی بنا پر سجدہ کی آیات تلاوت کرنے سے پہلے ہی رکوع کرلیا، جبکہ مقتدی خاص طور پر جو کونوں اور پیچھے کی طرف تھے وہ دوسری رکعت میں سجدہ کی بنا پر سجدہ میں چلے گئے؛ لیکن جب امام نے سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو وہ حیرت اور پریشانی میں کھڑے ہوئے اور امام اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ میں گیا تو مقتدی بھی سجدے میں چلے گئے اور بقیہ نماز ادا کی۔ یعنی امام کی نماز تو درست رہی جبکہ مقتدیوں کا رکوع چھوٹ گیا۔ اور انہوں نے سلام امام کے ساتھ ہی پھیرا، تو کیا مقتدیوں کی نماز درست ہوئی، اگر نہیں تو اس صورت میں مقتدیوں کو کیا کرنا چاہیے؟

جواب: مقتدیوں کو چاہیے کہ وہ اپنا رکوع کرکے امام کے ساتھ سجدے میں شریک ہوجاتے، بہرحال رکوع نماز میں فرض ہے جب وہ چھوٹ گیا تو نماز نہیں ہوئی۔ ان حضرات کو چاہیے کہ اپنی دو رکعتیں قضا کرلیں۔

تراویح کے دوران وقفہ:

سوال: تراویح کے دوران کتنا وقفہ کرنا چاہیے؟

جواب: نماز تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد اتنی دیر بیٹھنا جتنی دیر میں چار رکعتیں پڑھی گئی تھیں مستحب ہے؛ لیکن اگر اتنی دیر بیٹھنے میں لوگوں کو تنگی ہو تو کم وقفہ کیا جائے۔

عشاء کے فرائض تراویح کے بعد ادا کرنے والے کی نماز کا کیا حکم ہے؟

سوال: ایک صاحب عشاء کے وقت مسجد میں داخل ہوئے تو عشاء کی نماز ختم ہو چکی تھی۔ تراویح شروع تھیں۔ حضرت تراویح میں شامل ہوگئے، بعد از تراویح عشاء کی فرض نماز مکمل کی، آیا اس طرح نماز ہوگئی یا نہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ قصداً ایسا نہیں کیا بلکہ لاعلمی کی وجہ سے ایسا ہوا؟

جواب: جو شخص ایسے وقت آئے کہ عشاء کی نماز ہو چکی ہو اس کو لازم ہے کہ پہلے عشاء کے فرض اور سنت موکدہ

پڑھ لے۔ بعد میں تراویح کی جماعت میں شریک ہو۔ ان صاحب کی نماز تراویح نہیں ہوئی۔ تراویح کی نماز عشاء کے تابع ہے، اس کی مثال ایسے ہے جیسے بعد کی سنتیں کوئی شخص پہلے پڑھ لے تو ان کا لوٹانا ضروری ہوگا۔ (لہذا ان کی تراویح تو نہیں ہوئیں، اگر وقت ختم ہونے سے پہلے پتہ چل جائے تو اعادہ کریں، ورنہ نہیں، اس لئے کہ) تراویح کی قضا نہیں۔

جماعت سے فوت شدہ تراویح وتروں کے بعد ادا کی جائیں یا پہلے؟

سوال: ہم اگر تراویح میں دیر سے پہنچتے ہیں تو پہلے عشاء کی نماز پڑھ کر امام کے ساتھ تراویح میں شامل ہو جاتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ جو ہماری تراویح رہ جاتی ہے، اس کو وتر کے بعد میں پڑھنا چاہیے یا وتر سے پہلے پڑھیں، اور اگر بقیہ تراویح نہ پڑھیں تو کوئی گناہ تو نہیں ہے؟

جواب: وتر جماعت کے ساتھ پہلے پڑھ لیں۔ بعد میں باقی ماندہ تراویح پڑھیں۔

بغیر عشاء کی جماعت کے تراویح کی جماعت صحیح نہیں:

سوال: اگر کسی مسجد میں نماز عشاء جماعت کے ساتھ نہ پڑھی گئی ہو، تو وہاں تراویح کی نماز جماعت سے پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: اگر عشا کی نماز جماعت کے ساتھ نہ ہوئی تو تراویح بھی جماعت کے ساتھ نہ پڑھی جائے، کیوں کہ تراویح عشاء کی نماز کے تابع ہے، البتہ اگر کچھ لوگ عشا کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ کر تراویح پڑھ رہے ہوں اور کوئی شخص بعد میں آئے تو وہ اپنی عشاء کی نماز الگ پڑھ کر تراویح کی جماعت میں شریک ہوسکتا ہے۔

نماز تراویح سے قبل وتر پڑھ سکتا ہے؟

سوال: تراویح سے پہلے وتر پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: وتر تراویح کے بعد پڑھنا افضل ہے؛ لیکن اگر پہلے پڑھ لے تب بھی درست ہے۔

رمضان میں وتر بغیر جماعت کے ادا کرنا:

سوال: اگر ہم جلدی میں ہوں تو کیا تراویح پڑھنے کے بعد وتر بغیر جماعت کے پڑھے جاسکتے ہیں؟ اس سے بقیہ نماز پر تو کچھ اثر وغیرہ نہیں پڑے گا، یا وتر باجماعت پڑھنا لازمی ہیں؟

جواب: رمضان المبارک میں وتر جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے، تنہا پڑھ لینا جائز ہے۔

اکیلے تراویح ادا کرنا کیسا ہے؟

سوال: اگر کوئی انسان نماز تراویح باجماعت ادا نہ کر سکے تو کیا وہ الگ پڑھ سکتا ہے؟

جواب: اگر کسی عذر کی وجہ سے تراویح باجماعت نہیں پڑھ سکتا تو تنہا پڑھ لے، کوئی حرج نہیں۔

گھر میں تراویح پڑھنے والا وتر چاہے آہستہ پڑھے چاہے جہراً:

سوال: کیا گھر میں تنہا پڑھنے والا بھی تراویح اور وتر جہراً پڑھے گا؟

جواب: دونوں طرح سے جائز ہے، آہستہ بھی اور جہراً بھی۔

تراویح میں امام کی آواز نہ سن سکے تب بھی پورا ثواب ملے گا:

سوال: تراویح میں زیادہ مخلوق ہونے کی وجہ سے اگر پیچھے والی صف قرآن نہ سن پائے، تو کیا ثواب وہی ملے گا جو سامع کو مل رہا ہے؟

جواب: جی ہاں، ان کو بھی پورا ثواب ملے گا۔

تراویح میں قرآن دیکھ کر پڑھنا صحیح نہیں:

سوال: تراویح میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا جائز ہے؟

جواب: تراویح میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا صحیح نہیں۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔

☆☆☆

❑ خاص تحریر (تیسری و آخری قسط)

میانمار- ایک مطالعہ

شان محمد ندوی
استاد: مدرسۃ العلوم الاسلامیہ، علی گڑھ

بدلتی ہوئی پالیسی:

۱۹۹۲ء میں ایک طرف تو یو این ایچ سی آر (UNHCR) دونوں ملکوں کے بیچ معاہدہ ہو جانے کے بعد روہنگیا مسلمانوں کو دوبارہ ان کی زمینوں پر آباد کرنے کے لئے بنگلہ دیش سے لانے میں مصروف تھی تو دوسری طرف برمی حکومت اپنی پالیسی کو از سر نو ترتیب دینے میں سرگرم عمل تھی، پالیسی بدلنے میں مقاصد وہی تھے، صرف طریق کار اور عہدے بدل دیے یعنی جام وہی رکھا صرف پیمانے بدل دیے۔

سب سے پہلے برمی حکومت نے اپنی حکومتی تنظیم SLORC کا نام بدل کر SPDC یعنی ''State Peace and Development Council'' رکھا۔ (یہ تنظیم فوجی حکومت ہی کا دوسرا نام تھی) اور اس تنظیم کا صدر وزیر اعظم than shwe کو بنایا جو ۲۰۱۱ء تک اس صدارت کی کرسی پر فائض رہا، پھر اسی تنظیم کی زیر نگرانی صرف شمالی اراکان کے روہنگیا مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے لئے ایک لوکل فورس تیار کی جس کا نام نا۔سا۔کا۔(Nasaka) رکھا۔ یہ لوکل فورس متعدد شعبوں پر مشتمل تھی جس میں پولس، سیکورٹی فورس ملیٹری انٹیلی جنس اہلکار اور Immigration (IMPD)and manpower department بھی تھا، اس فورس کا وجود گویا کہ مسلمانوں کی موت کا سامان تھا۔ اس لوکل فورس کو پورے اراکان میں تعینات کر دیا گیا۔ جیسا کہ انٹرنیشنل مشن آف انکوائری (IMPD) کی رپورٹ وضاحت کرتی ہے۔

"The Nasaka was established in 1992, initially only in northern rakhine state..."

ترجمہ: ناساکا کا قیام ۱۹۹۲ء میں ہوا، اور اس کو صرف شمالی خائن (اراکان) اسٹیٹ ہی میں تعینات کیا گیا، جس کی رہنمائی SPDC کر رہی تھی۔ اور اس کا ہیڈ آفس رخائن کے دارالحکومت Sittwe میں بنایا۔ مضبوط ذرائع کے مطابق Nasaka فورس کے نو سیکٹرس (Sectors) قائم کئے گئے۔ آٹھ Maungdaw میں اور صرف ایک Buthidaung میں جو Rathedaung تک Cover کرتا تھا۔ مزید ہر ایک سیکٹر میں سات کیمپ بنائے، اس طرح پورے اراکان میں اس لوکل فورس کو پھیلا دیا، جبکہ مسلمانوں کی ہلاکت کے لئے پہلے ہی سے وہاں پر برمی آرمی اور پولس موجود تھی۔

دوسرا کام یہ کیا کہ حکومت نے Village peace and development council (VPDC) کی رہنمائی کی ذمہ داری اپنے ہاتھ میں لے لی اور VPDC کا

ایک صدر ہر بستی میں متعین کیا، اور یہ پوری کوشش کی کہ یہ صدر اراکانی بدھسٹ ہو، تاکہ وہ اچھی طرح حالات کو سمجھ کر اپنی ڈیوٹی انجام دے سکے اور ہر فرد پر مکمل نظر رکھ سکے۔

ناساکا فورس کا مسلمانوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک :

حکومت نے یہ سارے کام اتنی سنجیدگی سے کیے کہ اراکانی عوام ان کے برے مقاصد کو سمجھ نہ سکی اور ان نئے چہروں سے امن کی امید لگا بیٹھی؛ لیکن بہت جلد حکومت کا ناپاک چہرا سامنے آ گیا، مسلم عوام کی امیدوں کا طلسم ٹوٹ گیا، جب حکومت نے اس لوکل فورس کو مسلمانوں پر کڑی نظر رکھنے اور ان کی زمینوں کو ہڑپنے کا حکم دیا، ۱۹۹۲ء میں جو روہنگیا مسلمان بنگلہ دیش چلے گئے تھے اور اب انہیں (UNHCR) آہستہ آہستہ اراکان واپس لا رہی تھی ان کی ساری زمینوں کو حکومت نے برمی بدھسٹ اور فوجیوں کے حوالے کردیا، جیسا کہ Islamic human rights commission(IHRC) اس کی وضاحت کرتی ہے:

Muslim land and propetry in Arakan has been handed over to Myanmar, Buddhists often to the families of the army.

ترجمہ: اراکان میں مسلمانوں کی زمینوں اور جائداد کو میانمار کے بدھسٹ اور خاص طور پر فوج کے اہل خانہ کے سپرد کردیا گیا''۔

ناساکا فورس کے کڑی نظر رکھنے کی وجہ سے مسلمان بہت پریشان ہو گئے، اور کچھ ہی عرصہ کے بعد مسلمانوں پر بالکل پابندی لگا دی گئی کہ وہ اپنے کیمپوں سے باہر نہیں جا سکتے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کا کاروبار بند ہو گیا، وہ آہستہ آہستہ غربت کا شکار ہونے لگے، بیمار بچے اور بچیاں دم توڑنے لگیں، اس لیے کہ مسلمان بستیوں میں علاج کے لئے کوئی انتظام نہیں تھا، ڈاکٹر صرف ہفتہ میں ایک گھنٹے کے لئے آتا، اور صرف ڈیوٹی پوری کر کے چلا جاتا۔

اس کے بعد ناساکا فورس نے رات میں مسلم کیمپوں میں چھاپے مارنا شروع کر دیے، اور مسلم نوجوانوں کو بغیر کسی جرم کے گرفتار کر کے کام پر لگا دیا جاتا، اگر وہ مزاحمت کرنے کی کوشش کرتے تو ان کو سخت سزا دی جاتی، اس چیز سے ڈر کر مجبوراً مسلمان مردوں کو جنگلوں میں رات گزارنی پڑتی، رات کو گھروں میں صرف بچے اور عورتیں باقی رہتے، گھروں میں صرف عورتوں اور بچوں کو پا کر ناساکا فورس نے عورتوں کے ساتھ ناپاک حرکتیں کرنا شروع کردیا، یہاں تک کہ فورس کی پوری راتیں اسی میں گزر جاتیں، اگر مظلوم عورتیں اور معصوم بچیاں ذرا بھی مزاحمت کرنے کی کوشش کرتیں تو یہ وحشی، بھیڑیے صفت درندے اپنی ہوس کی پیاس بجھا کر ان کے خون سے ہولی کھیلتے پھر ان کو موت کی نیند سلا دیتے، بسا اوقات یہ درندے عورتوں کو اپنے خیموں میں اٹھا لے جاتے اور ہفتوں بعد جنگلات میں ان عورتوں کی لاشیں ملتیں۔ ناساکا فورس، برمی پولس اور ملیٹری کے خلاف عصمت دری کی سیکڑوں رپورٹیں موجود ہیں وہ بھی مضبوط ذرائع کے ساتھ، جبکہ دن میں یہ فورس کیمپوں میں مقیم افراد اور مسلسل بنگلہ دیش سے آنے والے مسلمانوں کے ناموں کی فہرست تیار کرتی، اور ہر دن ان کی حاضری لیتی۔ اگر کوئی مسلمان غیر حاضر ہوتا تو اس سے اچھا خاصا جرمانہ اصول کیا جاتا، اگر وہ شخص جرمانہ دینے سے قاصر رہتا تو اس کے عوض میں اس سے کام لیا جاتا۔

برتھ سرٹیفکیٹ پر پابندی اور شادی کا نیا قانون: حکومت نے روہنگیا مسلمانوں کو بتدریج جسمانی

اور ذہنی دونوں طریقوں سے پریشان کرنا شروع کر دیا گویا کہ یہ ایک قسم کی نسل کشی اوران کو پرسکیوٹ کرنا تھا، اسی پر بس نہیں کیا بلکہ برمی حکومت نے۱۹۹۴ء میں روہنگیا بچوں کے برتھ سر ٹیفکیٹ جاری کرنا بند کر دیے اور اس سے قبل ۱۹۹۳ میں Maundawtownshipکے مسلمانوں کے شادی کرنے پر پابندی لگادی تھی۔ پھر۱۹۹۴ء میں حکومت نے شادی کا ایک نیا لوکل قانون بنایا، اس قانون کے مطابق روہنگیا مسلمانوں کوشادی کے لئے حکومت سے اجازت لینی ضروری تھی، یہ شادی کا لوکل قانون صرف مسلمانوں کے لئے تھا جبکہ عیسائی بدھسٹ اور دیگر مذاہب کے لوگ اپنے مذہبی اصولوں پر قائم تھے۔

Irish center for human rights کی طرف سے۲۰۱۰ء میں Crimes agaist humanity in western Burmaنام سے شائع ہونے والی ڈاکومنٹری کے مطابق شادی کرنے کی اجازت لینے کے اصول کچھ اس طرح تھے، سب سے پہلے ایک فائل مینٹین کرنی پڑتی جس مین ہونے والے میاں بیوی دونوں کا پتہ اور دونوں کی تصویریں ہوتیں اور شوہر کو یہ عہد لینا پڑتا کہ وہ دوسری شادی نہیں کرے گا، پھراس فائل کوفیس دے کرVPDC کے پاس جمع کرنا پڑتا VPDC کا صدراس فائل پر اپنے دستخط کرتا اور صرف دو بچے جننے کی اجازت دیتا، پھر فائل ناساکا کے لوکل سیکٹر کے کمانڈر کے پاس بھیجی جاتی، پھر کئی ہفتوں کے بعد دونوں کو ان کے والدین کے ساتھ ناساکا کے سیکٹر میں مدعو کیا جاتا، یہاں لڑکے اور لڑکی دونوں کی فل چیکنگ ہوتی کہ کہیں ان کا پہلے سے کوئی تعلق تو نہیں ہے، اور مزید ان کے والدین سے پوری معلومات لیتے، اگر پہلے سے تعلق ہونے کا کوئی سراغ نکل آتا تو ان کوئی دنوں تک قید رکھتے، اوران کو ہر طرح سے پریشان کرتے، حتی کہ گھناونی حرکتیں تک کرنے سے باز نہ آتے۔ یہاں جس ذلت ورسوائی کی راہ سے ان کوگزرنا پڑتا اس کا اندازہ Irish center for human rights کی ایک دوسری رپورٹ سے لگایا جاسکتا ہے:

Harassment and abouses frequently take place at this stage, and couples are humiliated. Women are asked to remove their hijab or head scarf, and sametimes to show or let nasaka officers touch their stomachs to verfy that they are not pregnant, sometimes sexual nature can also take place.

حتی کہ بسا اوقات والدین کوصرف اس بات پر گرفتار کر لیا جاتا کہ وہ اپنے بیٹے یا بیٹی کی شادی کیوں کر رہے ہیں، اگر کوئی اجازت کے بغیر شادی کر لیتا اور Nasakaفورس کو اس کی اطلاع ہو جاتی تو اس شخص کو کڑی سزادی جاتی، اور جرمانے کے طور پر معاوضہ لیا جاتا، یہاں تک ۳۰۰۰۰ اور ۴۵۰۰۰ Kyats تک معاوضہ کے طور پر لیے جانے کی خبریں موجود ہیں، یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ پورے سال میں صرف دو یا تین شادیوں کی اجازت دی جاتی۔ یہ اتنا دشوار کن عمل تھا کہ مسلمانوں نے چوری چھپکے شادیاں کرنی شروع کر دیں۔ شادی کرنے کے لئے اجازت لینے کا قانون صرف ڈکٹیٹرشپ پر مبنی تھا، اور یہ عالمی قانون کی بالکل خلاف ورزی تھی۔ جبکہ عالمی قانون یہ ہے کہ:

"Men and women of full age, without any limitaion due to race,

nationality or religion, have the right to marry and found a family".

ترجمہ: جب مرد اور عورتیں شادی کرنے والی عمر کو پہنچ جائیں تو انہیں قومی نسلی اور مذہبی رکاوٹوں کے بغیر شادی کرنے اور خاندان بسانے کا حق حاصل ہے۔

اس عالمی قانون کو بالائے طاق رکھتے ہوئے یہ لوکل قانون مسلمانوں کے لئے بنایا، کھلے عام انسانیت کے حقوق سے کھلواڑ کیا، جبکہ اس کھیل کے پیچھے ہونے والے گھناؤنے واقعات اور جرائم کی بہت ساری خبریں موجود ہیں، ابھی حال میں اس فرعونی قانون میں ایک شرط کا اور اضافہ ہوا ہے، وہ ہے اجازت لیتے وقت لڑکے کا بغیر داڑھی کا ہونا ضروری ہے۔

قانون، مقاصد، ایک تجزیہ:

اکثر مصنفین اور ڈاکومنٹری تیار کرنے والوں نے اس شادی کے لوکل قانون کو جو صرف مسلمانوں کے لئے تیار کیا گیا تھا انسانیت سوز جرم قرار دیا ہے، مزید اس پر کوئی تجزیہ نہیں کیا ہے، یہ قانون انسانیت سوز ایک جرم تو تھا ہی؛ لیکن اس قانون کے پیچھے برمی حکومت کے دو بڑے مقاصد پوشیدہ تھے۔ ایک تو روہنگیا مسلم آبادی پر قدغن لگانا تھا۔ دوسر ان کو ہمیشہ کے لئے ان کے حقوق سے محروم کردینا تھا۔ اس دوسرے مقصد کو تجزیاتی طور پر سمجھنا بہت ضروری ہے، پہلی بات تو یہ کہ برمی حکومت اپنی نئی پالیسی کے مطابق اب براہ راست روہنگیا مسلمانوں پر حملہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے کہ برمی حکومت کے جرائم پوری دنیا کے سامنے کھلنے لگے تھے۔ اس لئے حکومت نے باقاعدہ Nasaka فورس سے مسلمانوں کا اعداد و شمار کروایا، اور ساتھ ہی روہنگیا بچوں کے برتھ سٹیفکیٹ جاری کرنا بند کردیے اور Maundaw township کے مسلمانوں کے شادی کرنے پر بالکل پابندی لگا دی پھر بعد میں شادی کرنے کے لئے اجازت لینے کا نیا قانون بنایا اور قانونی اعتبار سے صرف دو بچے پیدا کرنے کی اجازت دی، اور شادی کرنے کے لئے اجازت لینے کا جو طریقہ کار تیار کیا وہ بہت طویل اور دشوار گزار تھا، جس کی وجہ سے مجبوراً مسلمانوں نے اجازت کے بغیر شادیاں کرنی شروع کردی تھیں۔ نتیجتاً یہ نسل جب آگے چل کر پروان پڑھے گی تو سرکاری فہرست سے باہر ہوگی، اور اپنے کسی بھی حقوق کا مطالبہ نہیں کرسکے گی، اس لئے کہ ان کے پاس شہری ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہوگا۔ اور اس وقت حکومت کے لئے یہ آسانی ہوگی کہ وہ انہیں ملک سے باہر کرسکے۔ برمی حکومت کی اس چال کو آسام میں جو شہریت سے بے دخل کر دینے کا مسئلہ چل رہا ہے اس سے سمجھنا بہت آسان ہے۔ آسام کی تقریبا ۴۸ لاکھ عوام جس میں خواتین کی اکثریت ۹۰ فیصد ہے، ان سب کے سروں پر شہریت سے بے دخل کر دینے کا خطرہ منڈلا رہا ہے، دراصل ان لوگوں کے پاس صرف پنچایت سکریٹری کے ذریعہ جاری شدہ سرٹیفکیٹ ہے، اس میں اکثر وہ خواتین ہیں جن کی شادیاں اب سے ۵۰،۴۰ سال پہلے ہوچکی ہیں اور وہ بیاہ کر دوسرے گاؤں اور شہروں میں چلی گئیں، ان کے پاس ہندستانی شہری ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے کیوں کہ اس زمانے میں تعلیم کا اتنا رواج نہیں تھا جو اسکول کی مارک شیٹ ہوتی اور لوگ عام طور سے پیدائش سرٹیفکیٹ تک حاصل نہیں کرتے تھے، یہ مسئلہ حل ہونے ہی والا تھا کہ بی جے پی پہلے سینٹر میں پھر اسٹیٹ میں برسرے اقتدار آگئی، اس نے پنچایت سکریٹری کے ذریعہ جاری شدہ سٹیفکیٹ کو کالعدم قرار دے کر ان پر غیر ملکی ہونے کا الزام لگا کر شہریت سے اور ووٹ دینے کے حق سے بے دخل کرنے کا اعلان کردیا ہے۔ ابھی یہ مسئلہ ہائی کورٹ میں ہے، انشاء اللہ کورٹ سے انصاف کی امید ہے، اور تمام حضرات سے دعا کی درخواست ہے، آمین۔ برمایا

آسام کا واقعہ ہمارے لئے ایک سبق کے طور پر ہے اور مستقبل کے لئے ایک آگاہی ہے۔

روھنگیا مسلمان ظلم کے دو راھے پر

ایک طرف تو یو این ایچ سی آر بنگلہ دیش سے مسلمانوں کو واپس لانے میں مصروف تھی، اس لئے کہ بنگلہ دیشی حکومت مسلمانوں پر مسلسل دباؤ ڈال رہی تھی، دوسری طرف اراکان میں Nasaka فورس نے مسلمانوں کا جینا دوبھر کر رکھا تھا، جس کی وجہ سے مسلمان بنگلہ دیش اور تھائی لینڈ ہوتے ہوئے ملیشیا اور دیگر ممالک میں منتقل ہو رہے تھے، یہ سلسلہ آج تک جاری ہے، جو مسلمان اراکان سے جاتے ان کی زمینوں پر برمی حکومت اپنا قبضہ کر لیتی۔ اس طرح حکومت بتدریج مسلمانوں کو کمزور کرتی رہی تا کہ کسی نہ کسی طرح یہ روہنگیا مسلمان یہاں سے جانے پر مجبور ہو جائیں۔

مختلف مقامات فساد کی زد میں:

جو مسلمان اراکان اسٹیٹ کے علاوہ دوسرے صوبوں میں رہ رہے تھے، وہاں پر بدھسٹ لیڈروں نے عوام کو ان کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا جس کے نتیجہ میں ۱۹۹۶ء مین شان اسٹیٹ اور ینگون میں مسلم کش فسادات عام ہو گئے۔ اس میں مسلمانوں کو جانی و مالی دونوں اعتبار سے بہت نقصان ہوا، اس فساد سے ۱۹۹۷ تک منڈلی اور دیگر شہروں کے مسلمان متاثر رہے۔ اس فساد کے فوراً بعد روہنگیا مسلمانوں پر مکمل پابندی لگا دی گئی کہ وہ اپنی بستیوں کے علاوہ کہیں نہیں جا سکتے۔

مساجد اور مدارس کا انھدام:

اب اگلا قدم برمی حکومت کا یہ تھا کہ مسلمانوں کی جو بہت سی پرانی نشانیاں مدارس و مساجد کی شکل میں باقی ہیں ان کو ختم کر دیا جائے، اور ان کی جگہ بڑی بڑی مذہبی عمارتیں تعمیر کر دی جائیں لہذا برمی حکومت نے اسی مقصد کے تحت ۱۹۹۸ء میں ایک کتاب شائع کی جس پر مصنف کا نام نہیں تھا۔ کتاب کا نام تھا، Infear of our race disappearing اس کتاب نے پورے برما میں خصوصاً اراکانی بدھسٹوں میں آگ لگا دی، اصلاً اس کتاب میں یہ تھا کہ اگر مسلمانوں کے خلاف سخت ایکشن نہیں لیا گیا تو بہت جلد مسلمان بدھسٹوں کو ختم کر کے اسلامی ریاست قائم کر لیں گے، اس کتاب سے اس جھوٹے پروپیگنڈے کو سچ بنا کر عام کیا گیا، مزید اس کتاب کا سہارا لے کر حکومت اور بدھسٹ لیڈروں نے عوام کو ابھارا، جس کے نتیجے میں ۲۰۰۱ سے لے کر ۴-۲۰۰۳ء تک فساد پوری شدت کے ساتھ پھیلا رہا، اس فساد میں منصوبے کے مطابق مساجد و مدارس اور مسلمانوں کی تاریخی عمارتوں کو نشانہ بنایا گیا، اسی وجہ سے مسلمانوں کا جانی نقصان تو کم ہوا لیکن اس فساد میں Maun daw township sittwe taung gut اور آس پاس کے علاقوں کی تمام مساجد و مدارس اور قدیم عمارتوں کو جلا کر منہدم کر دیا گیا، اور جو باقی بچیں ان کی مرمت پر پابندی لگا دی، بہت سی مسجدیں آج بھی بوسیدہ حالت میں موجود ہیں۔

ISCI کی رپورٹ کے مطابق Maungdaw township اور اس کے آس پاس کے علاقوں کو ملا کر صرف ۲۰۰۱ میں اٹھائیس مساجد مدارس کو منہدم کیا گیا، اور اسلامک ہیومن رائٹ کمیشن کی رپورٹ کے مطابق مسلمانوں کے پچاس گھروں کو جلا دیا گیا اور ان کی تقریباً ساری دکانوں کو منہدم کر دیا گیا، الٹے اس فساد کے جرم میں مسلمانوں کے سات سیاسی لیڈروں کو ۱۲-۷ سال کی سزا دی گئی، اس حادثہ کے فوراً بعد مسلمانوں کے ایک ساتھ جمع ہونے پر بھی پابندی لگا دی گئی۔

اس واقعہ کے بعد ۲۷ اپریل ۲۰۰۴ء میں منعقد ہونے والی میانمار اسلامک کانفرنس میں وزیر اعظم Khin Nyunt نے

مسلمانوں کے زخموں پر مرہم رکھتے ہوئے کہا کہ: میں ملک کے مسلمانوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ امن وسکون کو بحال کرنے میں حکومت کا ساتھ دیں، اس واقعہ پر ملیشیا، OIC اور انڈونیشیا کے علاوہ کسی بھی ملک نے ان مظلوموں اور شہید ہونے والی مساجدوں پر آواز تک نہیں اٹھائی۔

جب حکومت نے یہ دیکھا کہ تمام ممالک خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں کسی نے بھی اس جرم عظیم کی مخالفت نہیں تو برمی حکومت نے مزید مسلمانوں پر شکنجے کستے ہوئے ۲۰۰۵ء میں روہنگیا مسلمانوں پر شادی کرنے کی بالکل پابندی لگادی۔

spot checking اور مسلمانوں کی گرفتاری:

برمی حکومت نے ۲۰۰۷ء میں روہنگیا مسلمانوں کی جانچ کرنے کا ناساکا فورس کو حکم دے دیا، اس مہم کا نام Spot checking رکھا۔ اس مہم کے ذریعہ ان تمام لوگوں کو گرفتار کرلیا گیا جو حکومت کی فہرست میں نہیں تھے، یا جن لوگوں نے حکومت کی اجازت کے بغیر شادی کرلی تھی، یا جن لوگوں نے اپنے گھروں کو ازسرے نو تعمیر کیا تھا یا پرانے گھروں کی مرمت کی تھی، اوران تمام بچوں کو بھی گرفتار کرلیا جن کے پیدائشی سرٹیفیکیٹ نہیں تھے، بعد میں جو لوگ رشوت دے سکتے تھے ان کو رہا کر دیا گیا اور باقی لوگوں کو کام پر لگا دیا گیا، حتی کہ قید خانہ میں بہت سے لوگوں کے بھوک کی وجہ سے مرنے کی بھی خبریں موجود ہیں۔

اس طرح سے ظالموں نے مسلمانوں سے جینے کے تمام حقوق سلب کر لئے، اور پھر ظالموں نے صرف دنیا کو دکھانے کے لئے ۲۰۰۸ء میں مسلمانوں کو وقتی طور پر رجسٹریشن کارڈ دیا، ساتھ ہی برمی قوانین کے ریفرنڈم میں ووٹ دینے کی منظوری بھی دی، اور ۲۰۱۰ء میں میانمار الیکشن کمیشن نے ووٹ دینے کا حق بھی دیا، یہ سب محض ایک ڈرامہ تھا صرف دنیا کو وقتی طور پر ہمدردی دکھانا مقصود تھا، ایک طرف تو برمی حکومت مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی جتارہی تھی، دوسری طرف مسلمانوں کی نسل کشی کے لئے منصوبے بنارہی تھی۔

۲۰۱۲ کا فساد اور مقاصد:

۲۰۱۲ء میں ہونے والے قتل عام اورلوٹ مار کی تیاری برمی حکومت نے مضبوط ذرائع کے مطابق ۲۰۱۰ء سے ہی شروع کردی تھی، اسی مقصد کے تحت Nasaka فورس کی ماتحتی میں دو مذہبی تنظیمیں ابھر کر سامنے آئیں ایک تنظیم ۹۶۹ کے لقب سے جانی جاتی ہے اور دوسری MaBaTha کے نام سے، ان دونوں تنظیموں نے برما میں خصوصاً اراکان کے بدھسٹ علاقوں میں مذہب کے نام پر اراکان بدھسٹوں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارنا شروع کر دیا، Wrathu جو بدھسٹوں کا مذہبی متنفر تھا اس نے کئی جگہوں پر عوام کو روہنگیا مسلمانوں کے خلاف سخت ایکشن لینے پر ابھارا۔

ISCI کی رپورٹ کے مطابق wirathu نے ایک تقریر میں کہا کہ:

''مسلمانوں کے پاس بہت مال ودولت ہے، یہ کہاں سے آتا ہے کسی کو نہیں معلوم، یہ مسلمان اس دولت کے ذریعہ ہماری عورتوں کو بہلا پھسلا کر شادی کر کے اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، پھر جوان سے اولادیں پیدا ہوں گی وہ بنگالی مسلمان ہوں گی، وہ بدھسٹ قوم کے لئے بنیادی طور پر خطرے کا سبب بنیں گی اور ہمارے مذہب اورنسل کو برباد کردیں گی، پھر یہ مسلمان ملک کو ایک گھٹیا اسلامی ملک بنادیں گے''۔

اس طرح کی بہت سی تقریریں کرکے جھوٹے پروپیگنڈے کو پھیلا کر بدھسٹ عوام میں آگ لگا دی، دوسری طرف برمی حکومت نے بہت منظم طریقے سے پورے پلان کو تیار کرلیا، اور مزید حالات کو کشیدہ بنانے کے لئے ایک Mathida

Htweنامی بدھسٹ عورت جس کی عمر ۲۹ سال کی تھی عصمت دری کرکے اس کو قتل کردیا، اس کا الزام تین روہنگیا مسلم لڑکوں کے سر تھوپ دیا، پھر اس کی الزامی کاروائی میں چلتی ہوئی بس سے دس مسلم نوجوانوں کو اتار کے قتل کردیا، پھر جمعہ کی نماز کے بعد مسلمانوں نے ایک بڑا احتجاج کیا جس میں انصاف کی مانگ کی، سیکورٹی فورس نے احتجاج کرنے والے مسلمانوں پر سخت کاروائی کی۔ حالات دن بدن بگڑتے چلے گئے، جس کے نتیجہ میں جون اور اکتوبر ۲۰۱۲ء میں دو بڑے فساد ہوئے، مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا، ان کے گھروں کو جلا دیا گیا، اس فساد میں مسلمانوں کو منتشر کرکے گاؤں اور (IDP) کیمپوں میں منحصر کردیا گیا، پورے اسٹیٹ میں ایمرجنسی لاگو کردی گئی، اور یہ مظالم دنیا کی نظروں سے اوجھل رکھنے کے لئے میڈیا پر پابندی لگادی۔

ISCIاور الجزیرہ کی ڈاکومنٹری کے مطابق:

''اس قتل عام کے حادثہ سے پہلے اراکانی سربراہوں نے گاؤں کے اڈمنسٹریشن کو خطوط روانہ کیے، خطوط اس بات پر مشتمل تھے کہ ہر گھر کے اس فرد کو جس کی عمر ۳۰-۲۰ کے درمیان ہے مسلمانوں کے خلاف اس پلان شدہ مہم میں شریک کریں، اور باقی لوگوں کو گھروں میں رہنے دیں تاکہ جوابی جملوں میں گھروں کی حفاظت کرسکیں''۔

کرفیو نافذ کرنے کے سلسلے میں الجزیرہ نے اپنی ڈاکومنٹری میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ President theinseinنے مسلم اکثریتی علاقوں میں ۱۰ جون ۲۰۱۲ء کو کرفیو اس ڈر سے نافذ کیا کہ کہیں یہ مسلمان جوابی کارروائی میں دوسرے علاقوں پر حملہ نہ کردیں۔ ISCI کی ایک رپورٹ کے مطابق جب رخائن اسٹیٹ کے اٹارنی جنرل سے یہ پوچھا گیا کہ اس حادثہ میں کون لوگ شریک جرم تھے، اس نے صاف کہتے ہوئے انکار کردیا کہ: ''It happend at night so there is no evidence''۔ ترجمہ: یہ حادثہ رات میں ہوا اس وجہ سے کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔

برمی حکومت کی رپورٹ کی مطابق اس حادثہ میں ۱۶۷ قتل ہوئے ۲۲۳ زخمی ہوئے اور ۱۰۱۰۰ پرائیویٹ، پبلک اور مذہبی عمارتوں کو جلادیا گیا یا منہدم کردیا گیا، جبکہ (OHCHR) کی رپورٹ کے مطابق اس حادثہ میں ۳۴۷ لوگ جاں بحق ہوئے جس میں ۲۹۲ مسلمان تھے ۵۴ اراکانی بدھسٹ اور ایک ہندو، جبکہ ۴۲۵ مسلمانوں کو جبراً گرفتار کرلیا گیا، جس میں ایک خاتون بھی تھی، ۴۷ افراد کی موت پولس کی حراست میں ہی میں ہوگئی، عصمت دری کے ۱۰۰ واقعات ہوئے جس کا الزام سیکورٹی فورس کے سر ہے، ۲۰-۱۵ عورتوں کو فورس نے اپنی جنسی ہوس پورے کرنے کے لئے غلام بنا لیا، (مزید اس واقعہ کو تفصیل سے دیکھنے کے لئے الجزیرہ نیوز چینل نے ''The hidden genocide'' کے نام سے ڈاکومنٹری تیار کی ہے جو نیٹ پر موجود ہے۔)

اس واقعہ کے بعد ۲۰۱۵ میں صرف بدھسٹوں کے احتجاج کرنے پر روہنگیا مسلمانوں کی ٹمپریری ID کارڈ کو بھی منسوخ قرار دے دیا ہے۔

روہنگیا مسلمانوں کی موجودہ صورتحال:

۲۰۱۱ء میں فوجی حکومت کے ختم ہوتے ہی ۲۰۱۲ میں آن سان سوکی (Aung san suu kyi) کے پاور میں آنے کے بعد یہ امید کی گئی تھی کہ روہنگیا مسلمانوں کی حالت بہتر ہوجائے گی، ان مظلوموں کو انصاف مل جائے گا، یہ امید اس وجہ سے کی گئی تھی کہ ۱۹۹۰ء میں انسانی حقوق اور جمہوریت کے علمبرداری کی حیثیت سے انہوں نے شہرت کمائی تھی جس کی وجہ سے ۱۰ دسمبر ۱۹۹۱ء میں عالمی امن ایوارڈ (Noble

Peace Prize) دیا گیا تھا، اور انہوں نے اپنا خصوصی مشیر مسٹر کونی (Mr. Koni) کو بنایا تھا جو مسلمان تھے اور انسانی حقوق (Human Rights) کی وکالت بھی انہیں کے ذمہ تھی اور National League for Democracy (NLD) کے اہم کارکن تھے (۱۷-۳۰-۱ کو ینگون ائر پورٹ سے باہر نکل رہے تھے کہ انہیں ۶۵ کی عمر ایک بدھسٹ نے گولی ماردی)

لیکن یہ امیدوں کا دیا بہت جلد بجھ گیا، جب مغربیت پرست اس ناگن نے اپنا پہلا بیان دیتے ہوئے کہا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ برمی آرمی اور سیکورٹی فورس روہنگیا مسلمانوں کی نسل کشی اور انہیں پرسیکوٹ کر رہی ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، یہ تو صرف ایک کاؤنٹر آپریشن ہے جو روہنگیا دہشت گردوں کو گرفتار کرنے کے لئے کیا جا رہا ہے، جو فوجی چوکیوں پر حملہ کر کے حالات کو کشیدہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ابھی ۱۶/اپریل ۲۰۱۷ء میں بی بی سی کے انٹرویو میں روہنگیا مسلمانوں کی نسل کشی کے متعلق پوچھے گئے سوال میں آن سان سوکی نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا کہ ''میں اسے نسل کشی نہیں سمجھتی''۔

اکتوبر ۲۰۱۶ء سے اب تک ۸۰۰۰۰ روہنگیا مسلمان سیکورٹی فورس کے ظلم وستم، قتل وغارت گری، بھوک مری اور عصمت دری کے وجہ سے پڑوسی ملک بنگلہ دیش میں پناہ لے چکے ہیں، اور یہ سلسلہ مسلسل جاری ہے۔ جس کے سلسلہ میں UN نے تحقیق کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا؛ لیکن آن سان سوکی نے ۲/مئی ۲۰۱۷ء کو اس سلسلہ میں UN کو تحقیق کرنے سے روک دیا۔

روہنگیا مسلمانوں کی موجودہ صورت حال بہت نازک اور دل سوز ہے۔ اپنا ملک اپنی تاریخ ہونے کے باوجود وہ بے ملک اور بے تاریخ ہیں۔ ان مظلوموں کے پاس تن ڈھکنے کے لئے کپڑے نہیں، علاج کے لئے دوائیاں اور پینے کے لئے صاف پانی تک میسر نہیں گویا کہ فاقہ کشی، مفلسی اور تنگ حالی نے ان مظلوموں کو اپنی گود میں لے لیا ہو، ان بے یارو مددگار مظلوموں کا کوئی پرسان حال نہیں، بے چارے مظلوم زندگی اور موت کے ایسے دوراہے پر آکر کھڑے ہوگئے ہیں کہ موت کے سوا کوئی چارہ نہیں، دوسری طرف ان مظلوموں کو سیکورٹی فورس مسلسل اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے، فی الحال حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ ان روہنگیا مسلمانوں کو بنگلہ دیشی قرار دے کر مہاجرین کی حیثیت سے ان کو یہاں ٹھہرایا جائے، پھر دھکے مار کے یہاں سے نکال دیا جائے۔ اس سلسلہ میں حکومت پوری کوشش کر رہی ہے جس کی وجہ سے لفظ ''روہنگیا'' استعمال کرنے پر پوری پابندی لگادی گئی ہے، اور حکومت کی طرف سے یہ افواہ عام کی جارہی ہے کہ یہ بنگلہ دیشی مسلمان ہیں۔ ہمارے ملک کی فضا کو خراب کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا ان کو یہاں سے بہت جلد نکال باہر کیا جائے۔

ہماری غفلت:

آج جب کہ عالمی طاقتیں مسلم دینا کے ایک ایک عضو کو کاٹ رہی ہیں اور اپنی بھوک مٹا رہی ہیں، افسوس تو یہ ہے کہ مسلم دنیا کے دیگر اعضاء کو احساس درد تو کجا علم وخبر بھی نہیں۔ میانمار کے مسلمانوں کو تباہ تو کر ہی دیا گیا ہے اور اب صفحۂ ہستی سے مٹانے کا منصوبہ اس طرح بنایا گیا کہ تاریخ میں بھی ان کا نام ونشان نہ رہے۔ آج کے عالمی ماحول میں اگر ہم ان کی کھل کر مدد نہیں کر سکتے ہیں، تو کم از کم ان کے لئے دعا کا اہتمام تو کر سکتے ہیں اور ان کی تاریخ ان کے حالات اور ان پر ہونے والے مظالم سے دنیا کو باخبر تو کرا سکتے ہیں۔ تاکہ احساس زیاں باقی رہے۔ اگر ہم اتنا بھی نہ کر سکے تو پھر سمجھیے کہ ہمارا ملی شعور مر گیا ہے، اللہ ہی حامی وناصر ہے۔

☆☆☆

❑ نقطۂ نظر

نصاب میں تبدیلی ایک جائزہ

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی
شیخ الحدیث جامعہ حسینیہ کیرلا

انسان پر اچھے و برے ہر قسم کے حالات آتے ہیں۔مگر جب اپنی کسی نادانی کی وجہ سے دشمنوں کا مقابلہ نہیں کر پاتا ہے تو اپنے آپ کو کوس کر تسلی دیتا ہے، نیز اپنے کردار کو ہی ذمہ دار ٹھہراتا ہے اور اپنے اس سسٹم کو بھی جو تجرباتی روشنی میں مفید بلکہ مفید ترین ہوتا ہے، ناکام بتا کر دم لیتا ہے، یہ اور بات ہے کہ انسان کے اعمال و کردار کا بہت حد تک شکست و ریخت میں رول ہوتا ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ پرانے اقدار پر محض ذمہ داری ڈالنے کا بیڑا اٹھا لیا جائے، اور بزرگوں کی ساری کاوشوں پر خط تنسیخ کھینچ دیا جائے، نیز ان کے غلط و غیر مفید ہونے کا اتنا ہوا مچایا جائے اور اتنا واویلا کیا جائے کہ اپنے و غیر سب قیمتی سرمایہ سے بیزار و دل برداشتہ ہو جائیں، اور نئے رنگ و روپ، نئے خدو خال کو مسیحا سمجھ لے، زمانے کے تقاضوں کو پورا کرنے کا ایسا دھن سوار نہ ہو کہ کتاب و سنت جیسی سرچشمۂ ہدایت میں بھی نئی تصویر نظر آنے لگے۔(۱)

جب سے ہندستانی مسلمانوں سے زمام حکومت گئی، اور ساری باگ ڈور یورپ کے ہاتھ لگی، اسی وقت سے مدارس کے نصاب

(۱) مضمون کی تمہید پڑھ کر اندازہ ہوگا کہ یہ ''نصاب میں تبدیلی ایک جائزہ'' کے عنوان سے کوئی تجزیہ نہیں بلکہ قطعی کسی ردعمل میں قلم بند کر دیا گیا ہے، اس مضمون کی اشاعت بھی بعض وجوہات کے سبب لازمی تھی اور اس پر نوٹ لگانا بھی ادارتی مجبوری تھی، راقم نے عبارتوں کی تصحیح سے صرف نظر کرتے ہوئے ضروری سمجھا کہ یہ عرض کر دیا جائے کہ، نصاب میں تبدیلی خود کو کوسنے کے مرادف نہیں بلکہ اس کا تعلق خود احتسابی سے ہے جس کی تعلیم کتاب و سنت میں موجود ہے، عہد نبوی سے لے کر آج تک نصاب میں بے شمار تغیرات واقع ہوئے لیکن قرآن و حدیث جوں کا توں موجود ہیں، معلوم نہیں یہ انجانا سا خوف تبدیلی نصاب کی بات آتے ہی کیوں ستانے لگتا ہے کہ قرآن و سنت کو ختم کر دیا جائے گا نظام، نصاب اور طریقہ تعلیم میں تبدیلی ہمیشہ ہوئی ہے اور ہوتی رہے گی اسے کوئی نہیں روک سکتا اور اس سے یہ سمجھنا کہ قدیم صالح پر ضرب لگے گی محض ایک بھول ہے، تغیرات کے باوجود ماضی و حال اس پر شاہد عدل ہیں، زمانے کے تقاضوں کو پورا کرنے کی دھن ہر حال میں سوار ہونی چاہیے، قرآن مجید نے اس امت کو خیر امت بنایا ہے اور لوگوں کے لیے بنایا ہے، اور بقائے انفع کے بے لاگ قانون کو جاری فرمایا ہے، اگر یہی بات ہمارے اسلاف سوچ لیتے تو آج علم اپنے ان تنوعات اور رعنائیوں کے ساتھ ہمارے پاس کیوں کر ہوتا۔

کسی تبدیلی کے متعلق یہ سوچنا کہ یہ بزرگوں کی کاوشوں پر خط تنسیخ پھیرنا ہے ایک غیر علمی رویہ ہے، فن حدیث میں ہی جس قدر ترقی بتدریج ہوئی کیا اس سے یہ لازم آتا ہے، کہ اکابر محدثین کی کاوشوں پر خط تنسیخ کھینچ دیا گیا، کسی بزرگ کی کاوش نہ منزل من اللہ ہے اور نہ کسی بزرگ نے ایسا دعویٰ کیا، بلکہ سب نے اپنے اپنے وقت میں مقتضائے زمانہ کے پیش نظر قرآن و سنت کو سامنے رکھ کر اجتہاد کیا، اصل شئ قرآن و سنت سے بغیر کسی ٹکراؤ کے نافعیت کا حصول ہے۔اور یہی چیز سارے بزرگوں کے پیش نظر رہی۔(مدیر)

ونظام کو ناکام بتانے کی کوشش شروع کی گئی، (۱) ۔ وقفے وقفے سے دو دہائی پہلے بھی بڑے پیمانے پر محاذ کھولا گیا جس کے نتیجہ میں بے شمار تحریریں وجود میں آئیں، پرجوش تقریروں اور شگفتہ بیانوں سے مختلف محفلوں ومجلسوں کو بہت دنوں تک گرم رکھا گیا، ایسا لگتا تھا کہ ساری ناکامی اور مسلمانوں کی خستہ حالی وزبوں حالی اسی نظام ونصاب سے مربوط ہیں، تعلیم میں ثنویت کا مسئلہ، جدید وقدیم میں ہم آہنگی کا قضیہ اتنا زور وشور سے اٹھایا گیا کہ علماء کا ہر طبقہ خواہ تدریس وتعلیم سے جڑا ہو یا سیاست وقیادت سے چپکا ہوا، تجارت وحرفت سے لگا ہو یا سیر وسیاحت کا رسیا ہو، ملت کا ہر کہتر ومہتر اس ہنگامہ آرائی کا حصہ بننا اپنا فرض منصبی سمجھتا تھا، طرفہ تماشہ یہ کہ اس مسئلہ کی قیادت وسیادت ان ہاتھوں میں تھی جو تدریس وتعلیم سے کم، دوسرے شعبہ سے زیادہ وابستہ تھے، لیکن حالات کچھ بدلے، ماحول میں سکون واطمینان آیا تو پھر لوگوں کی توجہ ادھر سے ختم ہوگئی، مگر پھر مسلمان بالخصوص ہندستانی مسلمان ناگہانی وانہونی شکست سے دوچار ہوا، اور احساسِ کمتری کا پھر پرانا شکار ہوا، تو وہی پرانی آواز نئے انداز میں نکال کر دشمنانِ اسلام کے سُر میں سُر ملا رہے ہیں، (۲) بے چارہ نصاب چوں کہ ٹھہرا بے زبان (۳) اس لئے ساری زور آزمائی کا شکار اسی کو ہونا پڑتا ہے، (٤) اور ہونا پڑ رہا ہے، فردوسی اقامت گاہوں کا فردوسی انداز کسی کو نہیں چبھتا، تعلیم وتدریس سے بے اعتنائی برت کر اینٹ وپتھر سے سنگ مرمری فلک بوس عمارتوں پر ساری توجہ خرچ کرنا کسی کو نظر نہیں آتا، پڑھنے پڑھانے کا انحطاط، بدذوقی وبدشوقی کا احساس اور ان امراض کا علاج ودرد کسی کو نہیں، (٥) کہنے کو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب بھی غیر موزوں نصاب کے انتخاب ہی کا نتیجہ ہے مگر یہ سب اپنی شکستگی پر

---

(۱) مدارس وکالج کی تقسیم اور نصاب کی یہ غیر مقصود تقسیم بھی تب ہی سے شروع ہوئی، اس سے پہلے تعلیم میں ثنویت کا یہ تصور تاریخ کے کسی دور میں نہیں رہا، مولانا گیلانی کی کتاب موجود ہے، مفتی تقی عثمانی صاحب کا کتابچہ سامنے ہے، یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ ابتدا میں یہ تقسیم نافعیت کے پیش نظر تھی اور نافع تھی، رفتہ رفتہ اس میں بہت سے تغیرات ہوئے، خود دارالعلوم دیوبند اصلاحات کرتا رہا ہے، ادھر عرصہ سے تبدیلی کی بات بہت زور وشور سے ہوئی کیوں کہ گزشتہ دو دہائیوں میں دنیا نے بہت ترقی کی ہے اور دنیا کی رہنمائی کے لیے علماء کا تغیرات سے واقف ہونا ضروری ہے، اس سلسلہ میں مفتی تقی صاحب کا مضمون ''ہمیں نئے نظام تعلیم کی ضرورت ہے'' کا مطالعہ بہت مفید ہوگا) (مدیر)

(۲) اہل علم واصحاب فکر کے لیے یہ بات قطعی درست نہیں کہ وہ تمام اصحاب نظر کو ایک صف میں کھڑا کردیں، دوست ودشمن میں تفریق لازمی ہے، مولانا علی میاںؒ فرمایا کرتے تھے کہ علم میں دوئی کا کوئی تصور نہیں، معاشرے کے اضطراب کی وجہ یہ ہے کہ جن کے پاس دین ہے وہ سسٹم میں فٹ نہیں ہوسکتے اور جو دینی شعور نہیں رکھتے ان کے ہاتھ میں سسٹم ہے، یہ ہے نتیجہ مروجہ نصاب تعلیم کا، کیا درس نظامی کے فارغین نظام مملکت کا حصہ نہیں ہوتے تھے، کیا اس میں عصری مضامین نہیں پڑھائے جاتے تھے، آخر اگر صاحب مضمون کے زاویہ نگاہ سے دیکھیں تو مولانا مناظر حسن گیلانی مفتی رفیع عثمانی، مفتی تقی عثمانی وغیرہم کو کس صف میں شمار کیا جائے یہ انتہائی غیر ذمہ دارانہ بات ہے کہ بیک قلم اصلاح نظام ونصاب تعلیم کی ہر آواز دشمنوں کی آواز قرار دی جائے)

(۳) نصاب زبان حال سے بولتا ہے اور اس کی زبان حال قوموں کے عروج وزوال کی داستان بنتی ہے۔

(۴) کیوں کہ نصاب ونظام اور تعلیم ومعلم ہی اصل بنیاد ہے، تو قوم کی تعمیر وترقی اور تخریب وزوال کے لیے تجزیہ بھی اسی کا ہوگا، ماہرین علوم اسلامیہ کا کہنا ہے کہ جس دن ہم تفریق ختم کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے اس دن ہمارا مستقبل ماضی کی طرح تابناک ہوجائے گا۔

(٦) بے شمار تحریریں اور تنقیدیں اس پر ہوتی ہیں، Teaching method یعنی طریقہ تدریس خود جدید تعلیم کا ایک شعبہ ہے، اس کی جانب بھی بارہا توجہ دلائی جاتی ہے، ندوۃ العلماء اور بعض دوسرے اداروں نے کسی نہ کسی درجہ میں تدریب کا یہ عمل شروع کیا ہے، یہاں مذکور یہ سب اسباب مسلم ہیں مگر اس سے سبب اکبر تو ساقط نہیں ہوتا۔

خوبصورت پردہ ڈالنے کے مرادف ہے، آج اگر بحث کا موضوع ہے تو یہ کہ ہمارا نصاب کامل ومکمل نہیں، یا اپاہج و بانجھ ہے جو رجالِ کار پیدا کرنے کی صلاحیت کھو چکا ہے، بار بار خیال آتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے صاف صاف اعلان کیا تھا:

العلم ثلاثة: آية محكمة أو سنة قائمة أو فريضة عادلة وما كان سوى ذلك فهو فضل (مشکوۃ ص ۳۵ کتاب العلم بحوالہ ابوداود وابن ماجہ)

(علم حقیقی تو بس تین ہیں: کلام الٰہی، سنت قائمہ، اور اجماع وقیاس سے حاصل ہونے والا طریقہ اس کے علاوہ سب زائد از ضرورت ہیں)(۱) رسول اللہ ﷺ نے حصول علم کی جہاں بھی ترغیب دی ہے وہاں يبتغي به وجه الله کی قید لگا کر دین ودنیا کے مابین فرق کر دیا ہے، ہم کون ہوتے ہیں اس ثنویت کو ختم کرنے والے، (۲) مسلم شریف کی وہ روایت تو بہت صریح معلوم ہوتی ہے جو ان الفاظ مین مروی ہے:

قدم نبي الله ﷺ المدينة وهم يأبرون النخل فقال: ما تصنعون؟ قالوا: كنا نضغه قال: لعلكم لو لم تفعلوا كان خيرا، فتركوه فنقصت، قال: فذكروا ذلك له، فقال: إنما أنا بشر إذا أمرتكم بشئي من أمر دينكم فخذوا به، وإذا أمرتكم بشيء من رأى فإنما أنا بشر (مشکوۃ ص ۲۸ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

جب حضور رسالت مآب ﷺ مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو دیکھا کہ لوگ تابیر نخل کرتے ہیں، دریافت کرنے پر انہوں نے کہا: ہم پہلے سے بھی کرتے ہیں، اللہ کے رسول نے فرمایا: اگر نہ کرو تو بہتر ہے، چنانچہ ان حضرات نے چھوڑ دیا تو پھل کم آئے، راوی کہتے ہیں: ان حضرات نے اس کا تذکرہ کیا تو دربار رسالت سے ارشاد ہوا، میں ایک بشر ہوں، اگر دین کے متعلق حکم دوں تو مضبوط پکڑ لو، اور اگر اپنی رائے دنیاوی معاملات میں ظاہر کروں تو میں ایک بشر ہوں۔ (۳)

---

(۱) یہ بات میری سمجھ سے فروتر ہے کہ فاضل صاحب مضمون نے فھو فضل کا ترجمہ "زائد از ضرورت" کس طرح کیا، علوم حقیقیہ یا علوم نبویہ یا علوم شریعت کے بالمقابل آج تک ہم علوم آلیہ یا علوم ضروریہ کی اصطلاح سنتے آئے تھے، اگر سارے علوم زائد از ضرورت قرار دے دیے جائیں گے تو پھر کاروبار زندگی کیوں کر چلے گا، خلافت ارضی کے تقاضے کیسے پورے ہوں گے، اعداد قوت کون کرے گا اور کیسے کرے گا، صنعت وحرفت وتجارت وحکومت ومعیشت اور صحت وطب وتعمیر میں کس کے اصول چلیں گے، کیا ایک مسلمان کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ قرآن کی آفاقیت اور حدیث کی وسعت کو محدود کر کے اپنی انفرادی واجتماعی زندگی میں اغیار کے اصولوں کا دست نگر بن جائے۔

(۲) خلط مبحث ہے، اللہ کی رضا کے لئے علم حاصل کرنا یا دنیا کمانے کے لیے سیکھنا اور چیز ہے اور تعلیمی نصاب میں تفریق اور چیز ہے، ایک ڈاکٹر اگر صحیح نیت کے ساتھ اپنے پیشہ میں مخلص وایماندار ہے تو کیا یبتغی بہ وجہ اللہ کا مصداق نہیں ہوگا، اگر تاجر تجارت کے گر سیکھتا ہے صحیح نیت کے ساتھ اور امانت داری کے ساتھ تجارت کرتا ہے تو اس کا کیا حکم بیان کیا گیا ہے ہماری مذہبی تعلیمات میں، ہم کئی مرتبہ اس امر کو واضح کر چکے ہیں کہ کسی بھی علم سے دین وملت کی خدمت کا کام لے کر اسے نفع بخش اور مفید بنایا جا سکتا ہے، جبکہ علوم نبویہ سے بھی کسب دنیا کر کے اپنے اعمال کو اکارت کیا جا سکتا ہے۔

(۳) خود یہ روایت اجتہاد وتبدیلی پر دلالت کرتی ہے، ظاہر ہے آپ کے سامنے خیر کا حصول تھا، منفعت تھی، اسی لیے آپ نے حکم دیا یہ الگ بات کہ وہ حاصل نہ ہوئی، علوم شریعت اصل ہیں ان میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں، لیکن نصاب کی حیثیت تابیر نخل کی ہے، اس کو آپ زمانے کے تقاضوں، مخاطب کے معیار عقل وفہم اور قوم کی ضرورت کو سامنے رکھ کر دیکھیے۔ دین ودنیا کی تقسیم لازمی ہے، لیکن بایں طور کہ دنیا دین کے لیے ہے، دنیا دار العمل ہے، دنیا کی زندگی پر آخرت کو ترجیح دینا ہے، لیکن قرآن وسنت میں ایسی تعلیم کہاں مذکور ہے کہ اپنے آپ کو مقید ومحدود کر کے دنیا کے سارے شعبے اغیار کو دے دیے جائیں اور ان کے رحم وکرم پر زندگی گزاری جائے، اس سوچ کے ساتھ تو فقہ وحدیث کے بہت سے ابواب کو پڑھانے کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی، یاد رکھنا چاہیے کہ نبی کریمؐ اور آپ کے صحابہ کا زہد وفقر اختیاری تھا، فتوحات کے بعد بھی انہوں نے زہد واستغناء کو ترجیح دی، ہم جانے کیوں فقر کو تھوپنے پر تُلے رہتے ہیں، زبان رسالت کا ہی ارشاد ہے كاد الفقر أن يكون كفرا قرآن وسنت میں زہد واستغناء کی تعلیم ہے، فقر وفاقہ اور ترک دنیا کی تلقین نہیں۔

معلوم ہوا کہ دین ودنیا کی تقسیم تولا بدی ہے، اسلام کا طرۂ امتیاز یہی تو ہے کہ دنیا کو دین بنا لیا جائے نہ کہ دین پر دنیا کو حاوی وغالب کر دیا جائے (۱)، بغداد کے مدرسۂ نظامیہ کا وہ طالب علم جو آسمانِ علم وفضل پر امام غزالی بن کر نمودار ہوا، بادشاہِ وقت کی تفتیشی کارروائی میں اکیلا فرد تھا جو دین کو دین کے لئے حاصل کر رہا تھا، ورنہ تو اوروں کی نیتوں کو بھانپ کر بادشاہ مدرسہ کے تئیں بدظن ہو چکا تھا، اور بند کر دینے کا تہیہ کر چکا تھا، مگر اس ایک فرد کی وجہ سے پورا مدرسہ آباد رکھا گیا اس طرح کے بے شمار شواہد ہیں جو ہماری صحیح رہنمائی کرتے ہیں، راقم کا مقصد یہ نہیں ہے کہ نصاب کسی زمانے میں قابل تغیر نہیں رہا، اور تغیر وتبدل کی راہ سے نہیں گزرا، بلکہ مقصد صرف اتنا ہے کہ جس نصاب کو اکابرِ امت اور اساطین امت نے جن حالات میں اختیار کیا تھا، کیا ہندستان کے وہ حالات بدل چکے ہیں یا پہلے سے کہیں زیادہ سنگین ہو چکے ہیں (۲) کیوں کہ موجودہ نصاب ونظام کی تاریخ کچھ اس طرح ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ ہار جانے کے بعد ہندی مسلمان عجیب وغریب کش مکش کا شکار ہوا، جب فصل بہار سے اچانک خزاں کے جھونکے ٹکرائے تو اسلام (۳) بمشکل تمام زندہ رہنے کی پوزیشن میں آ گیا، باطل دندنانے لگا، علماء نے سر جوڑ کر بیٹھ کر ایک منصوبہ بند تجویز پاس کی کہ اسلام کی صیانت اور ایمان کی حفاظت کے لیے کھفی مدارس کا جال ملک کے چپہ چپہ میں پھیلا دیا جائے جس میں ایمان اور اہل ایمان کے مرجھائے دلوں کی آبیاری کا سامان مہیا ہو، چنانچہ حکومتوں کی نظروں سے بچ بچاتے ہوئے دین کی ساری عمارت تعمیر ہوئی۔

یہ ایک تحریک تھی جو ہر طرح کے نام ونمود سے دور رہ کر خاموشی سے پروان چڑھتی رہی اور اپنے مقصد کی طرف گامزن رہی، نیز اس میں بہت حد تک کامیابی بھی ملی، انگریزی استبداد اور سامراجی تسلط کے باوجود اسلام کا ڈھانچہ ہندستان میں بگاڑا نہ جا سکا، اور آزادی کے بعد بھی ہر چند کہ ملک مسلمانوں کے قبضے میں نہ آ سکا لیکن پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ان ہی مدارس اور مکاتب کے طفیل بہت سے اسلامی ملکوں سے بہتر حالت میں اسلام یہاں موجود ہے۔ اس کا نقش اول دارالعلوم دیوبند نے تیار کر کے اور ملک کے گوشے گوشے میں پھیلا کر کلیدی کردار ادا کیا جس کا مسلک جامعیت کی صفت سے متصف ہونے کے باوجود اعتدال پسندانہ ہے، حضرت قاری محمد طیب صاحب تاریخ دارالعلوم کے مقدمے میں تحریر کرتے ہیں:

اس ادارہ کا مسلک جیسے جامِع علم ومعرفت، جامع عقل وعشق، جامع عمل واخلاق، جامع دیانت وسیادت، جامع روایت ودرایت، جامع خلوت وجلوت، جامع عبادت ومدنیت جامع اسرار وحکمت، جامع جذب وسلوک، جامع حال وقال، اور جامعؔ ظاہر وباطن ہے، اسی طرح اس ملک کے سالک بھی درجہ بدرجہ ان نسبتوں کے لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ اصل کے لحاظ سے مسلم، فرقہ کے لحاظ سے اہل سنت والجماعت، مذہب کے لحاظ سے حنفی، مشرب کے لحاظ سے صوفی، کلام کے لحاظ سے اشعری، سلوک کے لحاظ سے چشتی ونقشبندی، اجتماعیت کے لحاظ سے محمودی، اور مرکزی نسبت کے لحاظ سے دیوبندی ہیں"۔ (مقدمہ تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۱/۵۳)

یہی وہ نسبت ہے جس کا حصول اس نصاب میں مضمر ہے جو علوم عالیہ اور آلیہ دونوں کا جامع بلکہ اجمع ہے، اصل مقصود تو علوم

---

(۱) یہی بات ہم سب کہتے ہیں اور یہی اصل ہے، مگر صاحب مضمون نے اس بنیادی نکتہ پر گفتگو ہی نہیں کی۔

(۲) اگر پہلے سے زیادہ سنگین ہو چکے ہیں تو اکابر کے نقوش پر چلتے ہوئے اس کو مفید وموثر بنانے کی فکر لاحق ہونا چاہیے

(۳) اسلام نہیں مسلمان، اسلام تو تا قیامت زندہ رہنے کے لیے آیا ہے

عالیہ کی تحصیل ہے، لیکن ان کا حصول بغیر علوم آلیہ کے ناممکن ہے، لہذا خواہ دونوں کو ہم ایک مرتبہ میں نہ رکھیں لیکن دونوں میں کچھ بعد بھی نہیں۔

لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ وحی الٰہی ہے جس میں تغیر وتبدل کا بالکل امکان نہیں، نہیں بلکہ روز وشب کی آمد و رفت لگی ہے، سالوں اور مہینوں کا الٹ پھیر ہو رہا ہے جس سے نئے حالات پیدا ہو رہے ہیں، چنانچہ وقفہ وقفہ سے اس نصاب ونظام میں ممکن حد تک تبدیلی لائی گئی، اور دین وشریعت کو علوم آلیہ کے توسط سے اذہان وافہام سے قریب کرنے کے لئے علوم آلیہ میں بہت حد تک تبدیلی آئی، اس امر سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا ہے، ترجمان دارالعلوم حضرت قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ نے ایک سرکاری تعلیمی کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اب رہا مدارس عربیہ کے نصاب تعلیم میں تبدیلی کا قضیہ، سو مجھے اس اصول سے انکار نہیں اور نہ کسی کو ہو سکتا ہے، جن تعلیمات کا وحی الٰہی سے تعلق ہے اس کی تبدیلی پر نہ ہم قادر ہیں، نہ ہمیں حق ہے، باقی جو فنون یا کتابیں قرآن کے خادم کی حیثیت سے زیر تعلیم آئی ہیں وہ زمانہ اور احوال کے لحاظ سے بدل سکتی ہیں''۔ (الجمعیۃ، نئی دہلی، دینی مدارس نمبر۱۵۴) (۱)

یہ سب کچھ ہوا مگر آزادانہ نہیں، بلکہ مدارس کے نصب العین کو مد نظر رکھتے ہوئے، اور اس کی روح کو چھیڑے بغیر اچھی سی اچھی تبدیلی آئی، جس کا نتیجہ معنی خیز اور حوصلہ افزا رہا، علوم عالیہ وآلیہ کا فرق کیے بغیر ہر رطب ویابس کو داخل نہیں کر دیا گیا، اتنی بات بالکل مسلم ہے کہ مقصود دین الٰہی کی تفہیم ہے، دیگر ساری چیزیں وسائل واسباب ہیں کوئی مقصود بالذات نہیں، اور چوں کہ دین کی تفہیم قرآن وحدیث اور اس سے براہ راست نکلنے والے علوم: تفسیر، فقہ، اصول فقہ، عقیدہ، میں منحصر ہیں لہذا ان علوم کے علاوہ دیگر تمام علوم دوسرے خانے میں چلے جاتے ہیں، لیکن ذرا اس گوشے کو بھی مد نظر رکھا جائے کہ کتابوں کا توسط بھی محض آلہ کا ہی ہے، لہذا اگر دقیق کتابوں کے پڑھانے میں طلبہ کا وقت ضائع ہوتا ہے تو بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ بخاری کی موشگافیوں اور تراجم ابواب، یانظر طحاوی اور قال ابو داود کو نہ سمجھا جائے تو دین کا کیا نقصان ہوگا؟ جس کا خلاصہ یہی نکلے گا کہ تمام مدارس سے دورۂ حدیث یا فضیلت کے سالوں کو موقوف کر کے صرف مشکاۃ پڑھا کر مولانا ہونے کی ڈگری دے دی جائے، (۲) اب تک تو حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے بعد ایسی ذہنیت پیدا نہیں ہوئی ہے، لیکن لگتا ہے کہ مستقبل قریب میں اس طرح کی آواز بھی اٹھنے والی ہے، اور جس کے نتیجے میں پورا تعلیمی ونظامی ڈھانچہ کچھ سے کچھ کر کے رکھ دیا جائے گا، اس کو وسعتِ ظرفی نہیں، تنگ نظری کہا جائے گا، خدارا مریض معاشرہ کے مرض کی تشخیص اصول کے روشنی میں ہونی چاہیے، (۳) آزاد خیالی کے زعم میں اپنی

---

(۱) یہی نظریہ درست ہے اور اسی پر عمل ہونا چاہیے مگر افسوس کہ اس کے عشر عشیر پر بھی عمل نہیں ہو رہا ہے، واقعہ یہ ہے کہ حضرت قاری صاحب کی اس بات کو سمجھنے اور اس کو عمل میں لانے کی ضرورت ہے

(۲) اب تک شاید اس طرح کی کوئی رائے سامنے نہیں آئی بلکہ روز بروز اختصاص پر زور دیا جا رہا ہے، اور حد یہ ہے کہ دورہ حدیث کے بے شمار درجات اور اختصاص کے شعبوں کے وجود کے باوجود متخصصین کی کمی معلوم ہوتی ہے، تبدیلی کا موضوع اختصاص کا مرحلہ نہیں ثانویہ اور متوسطہ کا مرحلہ ہے، درجات اختصاص میں تو صرف طریقہ کار میں تبدیلی ممکن ہے، اور اس امکان کا لوگ فائدہ بھی اٹھا رہے ہیں، جس کے علمی نتائج سامنے آ رہے ہیں۔

(۳) اور وہ اصول نصاب تعلیم میں مضمر ہے، معاشرے کے ۹۶-۹۷ فیصد بچوں کو چھوڑ کر یا اغیار کے نظام میں مثقف بنا کر کیا یہ ممکن ہے کہ ایک مامون ومطمئن اور صالح معاشرہ وجود میں آ جائے، کیا تین چار فیصد فارغین مدارس سب کے سب خدمت دین ودعوت سے مربوط ہیں، کیا یہ سب معاشرے میں مؤثر ہیں، کیا دینی علوم کے ماہرین کی ملکی وقومی وشہری نظام میں شمولیت کے بغیر اس ملک میں زندگی مامون ہوگی۔ یا پھر یہ طے کر لیا گیا ہے کہ ہماری ضروریات زندگی مسجد ومدرسہ میں مقید ومکمل ہو جاتی ہیں، اس سے باہر کی دنیا سے ہم کو مطلب نہیں۔

آواز کے خلاف ہر آواز کو اعلان جنگ تصور نہ کیا جائے، (۱) اور محض ایک ہی نعرہ نہ لگایا جائے: کہ نصاب تعلیم عصری تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں لہٰذا ان کو ہی بدل ڈالو۔ (۲) یہ کیوں خیال نہیں کرتے کہ اسلامی احکامات کے تقاضوں کو پورے کرنے میں کافی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ضرور سر جوڑ کر بیٹھیے، اور جہاں جہاں سے خامیاں نظر آرہی ہوں ان خامیوں کو دور کر کے ایک مستحکم نظام مرتب کیجئے۔ (۳)

کرنے کا کام: ضرورت اس بات کی داعی ہے کہ مسلمان مدارس کو بچ کیے بغیر اسکولوں کی طرف توجہ دیں، اور ان میں دینیات اور اسلامیات کا وافر حصہ شامل کر کے چغتائی، رشدی، تسلیمہ نسرین جیسے بے دین وملحد بننے سے مسلم نوجوانوں کو بچائیں، نہ یہ کہ اسلامی مدرسوں کو جس طرح دشمنان دین آنکھ نکال کر دیکھ رہے ہیں ہم بھی اس طرح کا شوشہ چھوڑ کر مواقع فراہم کریں، جن مسلم ممالک کے حکمرانوں کی خستہ حالی کا رونا رویا جاتا ہے وہ سب مدارس کے نظام ونصاب سے وابستہ نہیں، (٤) بلکہ یورپی مزاج و مذاق رکھنے والے اسکولوں اور کالجوں کے پروردہ ہیں، مدرسہ سے وابستہ ہوکر مسلمان تو مسلمان، غیر مسلم بھی قیادت وسیادت میں کمال پیدا کر لیتا ہے، یہاں پر مولانا عبدالماجد دریابادی کا ایک تبصرہ بطور استشہاد پیش کرنا کافی سمجھتا ہوں، حضرت مولانا دریابادی پہلے صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ایک لڑکا چوڑی کا پائجامہ، کلی دار کرتا، دوپلی ٹوپی پہن کر اور بغدادی قاعدہ لے کر مسجد کے مکتب میں پڑھنے جا رہا ہے آپ پوچھیں گے کہ یہ کس کی تصویر ہے، یہ تھے صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد صاحب" (سہ ماہی دعوتِ حق ص ۲۳۶ مضمون: مولانا عبدالکریم پاریکھ، صاحب دینی مدارس نمبر) (٥) ہم نے تو نصاب کا ایسا ہوا مچایا کہ غیروں کو کہنے کا موقع ملا ہی، خود مدارس کے طلبہ میں بے

---

(۱) یہی اصول نصاب پر گفتگو کے وقت پیش نظر رہنا چاہیے، نصاب میں تبدیلی کی بات نہ کفر ہے نہ شریعت کو نیست ونابود کرنے کی تمہید، شریعت حقہ تا قیامت باقی رہنے کے لیے آئی ہے، بلکہ اس کے معاون وخدمت گار، علوم شریعت کی حفاظت اور اس کی نشر واشاعت سے وابستہ افراد وادارے سب **انا نحن نزلنا الذکرو انا لہ لحافظون** کی ضمانت میں شامل ہیں، پھر آخر اس قدر خوف کے ساتھ ایسی تحریریں کیوں وجود میں آتی ہیں، اس موضوع پر ہر دو فریق کی گفتگو عام طور پر موضوعیت، منہجیت منطقیت اور استدلال سے ماوراء جذباتی اور توہماتی ہوتی ہے۔

(۲) خدارا نصاب تعلیم میں تبدیلی کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ قرآن وحدیث وفقہ کی تعلیم موقوف کر دی جائے یا ان کو مدرسوں سے نکال دیا جائے۔

(۳) پورے مضمون میں یہ دو سطریں بہت اہم ہیں، ہم حضرت والا سے درخواست کرتے ہیں، سارے نظریات کو بالائے طاق رکھیں اور ایک بار سورہ فاتحہ سے الناس تک قرآن پڑھ جائیں، پھر دنیا کی حالت زار، مسلمانوں کی حالت اور ملت ہندیہ کی صورت حال کا تجزیہ کریں اور پھر ایک مختصر سا مقالہ تحریر فرمادیں۔لیکن یہ عمل ان دو سطروں کی وسعت وجامعیت کو پیش نظر رکھ کر ہونا چاہیے جن سطروں نے اس مضمون میں جان پیدا کر دی ہے، کہ کیا ہمارا نصاب اور ہماری کوششیں اسلامی احکامات کے تقاضوں کو پورا کرنے میں کافی ہیں یا نہیں؟ امید ہے کہ "اسلامی احکامات" کی وسعتیں پیش نظر رہیں گی۔

(۴) مدرسہ کا یہ تصور ۱۸۵۷ء کے ساتھ برصغیر میں پیدا ہوا، پھر تو بات بہت دور تک جائے گی، سعودیہ جیسے ملک میں قرآن وسنت کی بھرپور تعلیم ہوتی ہے، مگر حضرت مولانا علی میاںؒ فرمایا کرتے تھے کہ اسلامی ممالک کے معاشرے میں کشمکش کا اصل سبب یہ ہے کہ لوگ شریعت کو پڑھتے تو ہیں مگر حکومت میں، معاشرے میں، نظام میں جب اس کا انطباق نہیں ہوتا تو پھر ذہنی کشمکش وجود میں آتی ہے اور معاشرہ اضطراب کا شکار ہوتا ہے۔

(۵) شواذ سے استدلال پر حیرت ہے، ایسی کتنی مثالیں ہیں۔اور یہ بھی سوچیے کہ اس کا منظر وپس منظر کیا ہے، جب آپ کا نظام رائج اور نصاب نافع تھا تو غیر مسلم قرآن تک یاد کیا کرتے تھے، اردو عربی فارسی پڑھنا عام بات تھی، ہم اپنے بچپن میں ایسے کئی لوگوں سے ملے ہیں جو اردو عربی پڑھ لیا کرتے تھے کیوں کہ وہ قدیم دور کی یادگار تھے، کیا اب ایسا ممکن ہے اور کیا ایسی مثال اب پیش کی جاسکتی ہے، ہاں یہ مثال غور وفکر اور تبدیلی کے لیے دی جاتی اور اس سے عظمت رفتہ کی بحالی اور پھر سے وہی تاثیر حاصل کرنے کے لیے دی جاتی تو یہ استدلال خوب ہوتا۔

یقینی و بے اعتمادی پیدا ہوگئی، اب محنت کرنے سے جی چراتے ہیں، کسی استاذ کو دکھانے کے لیے اور اپنے گھر والوں کے دباؤ یا کسی خارجی مقصد کے تحت مطالعہ و مذاکرہ میں بظاہر لگے ہیں ورنہ تو تماشہ بینوں کی بھیڑ کی طرح ایک جمگھٹا ہے، نہ مقصد، نہ محبت، نہ عشق، نہ ولولہ، یہ دین ہے ہمارے اس واویلا مچانے کا (۱) جب یہ فوج ظفر موج مدرسہ بنوت کے چشمۂ حیواں سے پانی لے ہی نہیں رہی ہے تو زندگی کی کشتِ زار کو کیوں کر سیراب کر پائے گی، (۲) میں یہ نہیں کہتا کہ سارے ہی مدارس اسی رو میں بہہ رہے ہیں مگر باستثنائے بعض اکثر کا حال اس سے دیگر گوں نہیں، اس لیے ضرورت ہے کہ جو بھی نصاب ہے اس پر اعتماد بحال کیا جائے، ہندستانی قوم تو ویسے بھی توہم پرست اور خرافات کی دلدادہ ہے۔ جب تک ان کے ذہن ودماغ میں کسی بھی چیز کی اہمیت پیوست نہ کی جائے خواہ وہ چیز کتنی ہی بھلی ہو قابلِ قدر طوفان برپا چاہ کر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اگر بطور وِرد زبان پر جاری بھی ہوجائے

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کے موجوں میں اضطراب نہیں

تو لا حاصل ہے، جب تک طوفان کی طوفانیت سمجھا نہ دی جائے، اور ذہن ودماغ میں اس کا علاج پیوست نہ کر دیا جائے، اس وقت تک اضطراب کی تمنا کرنا بوڑھے کا، جوانی کی تمنا کرنا ہوگا۔

☆☆☆

---

(۱) طلبہ کے ساتھ اساتذہ کا تذکرہ بھی ہونا چاہیے، کتنے فیصد یکسوئی کے ساتھ منہمک ہیں تدریس میں اور اگر نہیں تو کیوں؟ اسی پر غور وخوض کی تو دعوت ہے، اس واویلا سے یہ اثرات ہیں، اس کا اثر بے توفیق لوگوں پر تو ہوسکتا ہے مگر اس کو کلیہ سمجھنا فضول ہے اس لیے کہ قرآن کی شہادت ہے کہ باطل کے شور شرابے سے حق کی رفتار مدھم نہیں پڑتی، ہاں ضروریات کبھی کبھی اہل حق کی رفتارِ عمل پر قدغن لگا دیتی ہیں، تفصیل کے سبب چھوڑتا ہوں ورنہ مولانا گیلانی کا اقتباس نقل کرتا جو میں نے کئی مرتبہ نقل کیا ہے، انہوں نے بڑی صراحت سے لکھا ہے کہ جب جدید نظام نافذ ہوا تو بڑے بڑے شیوخ کی اولادیں اس نظام کا رخ کرنے لگیں، کیوں کہ پہلے جس نظام تعلیم سے ان کی ضرورریات ان کے معیار زندگی کے مطابق پوری ہورہی تھیں اب اس کی جگہ دوسرے نظام نے لے لی، خیر ہم تو اس نظام کے بھی قائل نہیں محض اپنے نظام کی تصحیح اور اپ ڈیٹ کے قائل ہیں، اور معیار زندگی کی بھی بات نہیں کرتے مگر ضروریات زندگی کا پورا ہونا تو اشد ضروری ہے اور اس کے بغیر چارہ بھی نہیں۔ یہ اصل غور کرنے کی چیز ہے۔

(۲) جتنی آسانی سے یہ جملہ لکھ دیا جاتا ہے کاش ہم اس کا مفہوم بھی سمجھ پاتے، نبوت کے چشمۂ حیوان سے پانی لینا اور زندگی کے کشت زار کو سیراب کرنا کوئی معمولی کام تو نہیں، یہ کام اگر جامعیت اور وسعت کے ساتھ انجام دینا ہے تو پھر اپنے نظام ونصاب تعلیم کو موضوع بحث بنانا ہی پڑے گا۔

❑ تعلیم و تربیت

(قسط-۱)

تربیت اولاد- چند اہم گوشے

تلخیص وترجمانی: ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

مزاج: آپ دیکھیں گے کہ جب بچہ ۶ ماہ کا ہوتا ہے تو اس سے اس کی خاص طبیعت اور مزاج کا اظہار ہونے لگتا ہے، جس سے اس کا دوسرے بھائی بہنوں اور دیگر بچوں سے مختلف ہونا صاف معلوم ہوتا ہے، اس کی خاص عادتیں، منفرد احساسات اور عادات کے ذریعہ نہ صرف اس کے خاص مزاج کا پتہ چلتا ہے بلکہ اس کا دوسروں سے مختلف ہونا بھی طے ہوجاتا ہے، چنانچہ جو چیز اس کے اور دوسرے کے درمیان فرق کرتی ہے وہ مزاج قرار پاتی ہے، غور کرنے کی بات یہ ہے کہ آخر یہ مزاج کیا چیز ہے جو ہر انسان کو دوسروں سے علحدہ اور ممتاز قرار دیتی ہے۔

جن چیزوں کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ بچہ والدین سے وراثت میں پاتا ہے ان میں سرفہرست مزاج ہے، اور یہی مزاج شخصیت کی تشکیل کا عنصر اساسی ہے، ہر بچہ کا مزاج اس کے کسی نہ کسی فرد خاندان سے مشابہ ہوتا ہے خواہ باپ سے مشابہ ہو یا ماں سے، دادا سے مشابہت رکھتا ہو یا دادی سے، لیکن اس مشابہت اور خاندانی وراثت کے باوجود بچہ کی اپنی منفرد ایسی مزاجی خصوصیت ضرور ہوتی ہے جو اس کو ماسوا سے ممتاز کرتی ہے۔

مزاج سے ہی اس کا اظہار ہوتا ہے کہ بچہ سلوک وتصرفات میں اپنا خاص میلان ورجحان رکھتا ہے، چنانچہ کوئی بچہ سست، آرام طلب اور رخصت پسند ہوتا ہے، آسانی سے تھکتا نہیں ہے، کسی بچہ کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ وہ آسانی سے ہر نئی صورت حال میں اپنے آپ کو ایڈجسٹ کر لیتا ہے، کسی بچہ کے مزاج میں محبت کا عنصر غالب ہوتا ہے وہ دوسروں کے ساتھ بہت جلدی مانوس ہوجاتا ہے، کوئی بچہ مزاج کے اعتبار سے اصول پسند اور منظم ہوتا ہے، کوئی بہت پریشان خیال اور ذہنی تناؤ میں رہتا ہے کوئی بچہ مشکلات اور چیلنجز کو بڑی آسانی سے قبول کرتا ہے، کسی بچہ میں سرکشی ایسی ہوتی ہے کہ وہ جو چاہتا ہے اسے حاصل کے بغیر رکتا نہیں، کسی بچہ میں دوسروں کا سامنا کرنے میں خوداعتمادی کی کمی مانع ہوتی ہے تو کوئی بچہ خوداعتمادی سے اس قدر معمور ہوتا ہے کہ دوسروں کی تنقید کی پرواہ نہیں کرتا۔

یہ اور اس طرح کی مزاجی کیفیات وخصوصیات مسلم اور ثابت شدہ ہیں جن کا ہم روزمرہ کی زندگی میں خوب مشاہدہ کرتے رہتے ہیں، ان خصوصیات کے ظہور کی ابتدا بچپن سے ہوتی ہے، اور جوانی کیا ادھیڑ عمر تک باقی رہتی ہے، یہاں یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ اس مرحلے میں والدین کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے کہ وہ بچہ کی ایسی تربیت کریں کہ وہ اپنے مزاج اور اپنی طبیعت کے ساتھ دوسروں کے درمیان زندگی جینے کا ہنر سیکھ سکے، اور ان اوصاف کی بھی نشونما ہو سکے اور ساتھ ہی ان پر قابو پانا اور ان کو برتنے کا طریقہ سیکھ سکے۔

عمر کے ابتدائی مہینوں میں ہی بچہ کی مزاجی کیفیات کے اندازہ کر لینے سے اس کو برتنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے،

اس کے ساتھ معاملہ کرنا سہل ہو جاتا ہے، کیوں کہ یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کیا قبول کرے گا اور کس چیز کا انکار کرے گا، اس کی اس حیثیت سے تربیت کرنا بھی آسان ہوتا ہے کہ وہ اپنے مزاج کے ساتھ دوسروں کے درمیان کس طرح زندگی گزارے، اس کے مزاج کی کیفیت معلوم ہونے کی صورت میں اس کی نقل وحرکت پر فی الفور کوئی حکم لگانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

یہ بات بھی سمجھنا ضروری ہے کہ طبیعت اور مزاج کوئی ایسی چیز نہیں جس کو بچہ ارادی طور پر اختیار کرتا ہو، چنانچہ بسا اوقات بچہ کی مزاجی کیفیت کچھ اس طرح کی ہوتی ہے کہ اس کو برتنا بڑا مشکل ہوتا ہے، لیکن بہت دلچسپ بات ہے کہ جن خصوصیات کے سبب ابھی بچہ کے ساتھ سلوک ومعاملات اور اس کو برتنے میں دشواری آتی ہے ان ہی صفات وخصوصیات کو ہم اسکے بڑے ہونے پر اس میں دیکھنا چاہتے ہیں بلکہ پسند کرتے ہیں، مثلا بچہ میں احساس کی شدت، معاملات میں سنجیدگی، مضبوط قوت ارادی، سخت مخالفت جیسی صفات اگر بچوں میں ہوتی ہیں تو پریشانی ہوتی ہے، لیکن جب وہ بڑے ہوتے ہیں تو ہم ان میں یہی خصوصیات دیکھنا چاہتے ہیں اور ان ہی چیزوں کو پسند کرتے ہیں، اس لیے یہ غلطی کبھی نہیں کرنی چاہیے کہ بچہ کے ارادے پر غلبہ پانے کی کوشش کریں اور اپنا ارادہ اس پر تھوپ دیں، بلکہ یہ سوچنا چاہیے کہ آپ کس طرح اس کے ارادے کو برت سکتے ہیں اور کیسے اس کو صحیح رخ دے سکتے ہیں، اس طرح طبعی طور پر بچہ یہ سمجھ لے گا کہ ہر وہ کام جو اس کو اچھا لگے نہیں کر سکتا ہے، اس طرز عمل سے وہ ایک اور ضروری نکتہ سمجھے گا کہ جس طرح وہ یہ پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کی خواہشات کو سمجھیں اور ان کا احترام کریں، اسی طرح اس کو بھی دوسروں کے ساتھ معاملہ کرنا چاہیے اور دوسروں کی خواہشات کا احترام کرنا چاہیے، یہ فہم اس کو والدین کی حکیمانہ توجیہات سے زیادہ بہتر طریقے سے حاصل ہوگی، بہ نسبت اس کے کہ ہمیشہ والدین بچے سے اس بات پر الجھتے رہیں کہ وہ ان ہی کا کہنا مانے اور ہمیشہ ان کی خواہشات کا احترام کرے۔

منفی یا مشکل مزاج والے بچے:

اگر آپ اپنے بچے میں سلبی علامتیں Negative Symptoms دیکھتے ہیں، اس کے مزاج میں، عادات و خیالات میں منفی اثر رکھنے والی چیزیں نظر آتی ہیں، تو سب سے پہلے اس کو قبول کیجئے اور اس کو سمجھنے کی کوشش کیجئے، مثلا بچہ اگر اپنی روز مرہ کی زندگی Life Routine میں ادنی سے تغیر سے بھی پریشان ہو جاتا ہے تو کوشش کیجئے کہ اس طرح کے تغیرات کم سے کم ہوں، اگر وہ دوسرے بچوں کے مقابلہ میں اس طرح کی پریشانی کا جلدی شکار ہوتا ہو، تو آپ ان بچوں سے اس کا تقابل Compare نہ کیجئے بلکہ اس کے ساتھ زیادہ لطف وشفقت کا معاملہ کیجئے بجائے اس کے کہ اس پر بزدلی اور زود حسی کا الزام عائد کر دیجئے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ ہر وقت اس کے مطالبات اور اس کی خواہشات پوری کرتے رہیے، بلکہ اس طرز عمل سے بچہ کو یہ تعلیم دینا مقصد رہے کہ زندگی کے تغیرات اور نشیب وفراز Ups and Downs میں اپنے آپ کو کیسے ایڈجسٹ کیا جائے اور مشکل حالات میں زندگی کیسے برتی جائے، اگر آپ چاہتے ہیں کہ بچہ اپنی زندگی میں اپنے ساتھیوں کی طرح ایک کامیاب انسان بنے تو اس وقت آپ کا صبر کرنا، اس کی مدد کرنا اور حکیمانہ رہنمائی آپ کے لئے لازمی ہے۔

خوش مزاج و فرمانبردار بچہ: اگر آپ کا بچہ خوش مزاج اور نرم طبیعت کا حامل ہے تو اس میں شک نہیں کہ آپ کی ذمہ داری آسان ہو جاتی ہے، اس طرح کے مزاج کا

حامل بچہ عام طور پر اپنے کھانے پینے میں اصول پسند ہوتا ہے، تغیرات زندگی کا آسانی سے مقابلہ کرتا ہے، مشکلات کا سامنا کرنا اس کے لیے آسان ہوتا ہے، وہ اپنی زندگی اور اپنے مستقبل کے تئیں ایجابی اور مثبت انداز میں سوچتا ہے، اور اس مثبت انداز Positive Thinking فکر سے زندگی کو پر لطف بنا کر جیتا ہے، ایسے مزاج کے حامل بچوں کے سلسلہ میں والدین کے لئے یہ لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ وہ ان بچوں کے مزاج کی پاکیزگی اور فرمانبردار طبیعت سے حد سے زیادہ توقعات نہ وابستہ کریں اور نہ ہی ضرورت سے زیادہ اعتماد کریں، اگر وہ امور کی انجام دہی میں کسی طرح کی بے اطمینانی کا اظہار نہیں کرتا، کوئی شکوہ نہیں کرتا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ اس کے ردعمل اور تاثر کی پرواہ کیے بغیر اس پر مزید کاموں کا بوجھ لاد دیں، اسے بالکل آزاد چھوڑ دیں کہ وہ بغیر کسی نگرانی و رہنمائی کے اور خود ہی غور فکر کر کے اپنے سارے امور انجام دے، اس طرح اگر اسے طویل وقت کے لئے چھوڑ دیا گیا تو وہ بہت کچھ نہیں سیکھ سکے گا، اگر اسے والدین کی خاطر خواہ معیت نہ حاصل ہوئی تو پھر وہ اس طرح پروان چڑھے گا کہ خود کو اپنے لیے کافی سمجھے گا اور اپنی زندگی میں کسی کی ضرورت نہیں محسوس کرے گا، بجائے اس کے کہ وہ والدین کی صحبت میں یہ سیکھتا کہ اس کی زندگی سنوارنے میں دوسروں کا بھی کردار ہے جس طرح دوسروں کی زندگی میں اس کا کردار ہے، زندگی نام ہی ہے کچھ لینے اور کچھ دینے، کچھ سیکھنے اور سکھانے کا۔

احساس شکست سے دوچار اور خاموش مزاج بچہ: اگر کوئی بچہ خاموش مزاج ہے تو اس کے سلسلہ میں بھی مذکورہ بالا احتیاط ضروی ہے، ایسا بچہ اپنے امور کی انجام دہی میں بہت زیادہ سرگرم و پرجوش نہیں ہوتا، اس لیے اس بات کا خطرہ رہتا ہے کہ اس پر ماں باپ کی توجہ نہ پڑے اور اس کو طویل وقت کے لیے چھوڑ دیا جائے کہ وہ اپنے کام خود ہی انجام دے، اس طرح کی کوتاہی سے بچنا چاہیے ساتھ ہی یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ اس پر سختی کرنے، اور اپنے موقف کو زور زبردستی سے لادنے کا بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا، بلکہ ایسے بچہ کے ساتھ حوصلہ افزائی اور دلبستگی و تشجیع کا معاملہ کرنا چاہیے، مثلا اس کو کسی کام کا مکلّف بنایا جائے، اور پھر اس کو پورے اہتمام اور شوق سے کرنے کا موقع دیا جائے، اس کی حوصلہ افزائی کی جائے، مختلف نئے نئے طریقوں سے اس کو شوق دلایا جائے اور اہتمام کرنے کی طرف راغب کیا جائے، رفتہ رفتہ وہ خود دیکھے گا کہ اس کے اردگرد کے ماحول میں حوصلہ افزائی کے کس قدر سامان موجود ہیں، یہی طریقہ سودمند ہوسکتا ہے، جبر و زور ایسے بچے کے لیے ہرگز مفید نہ ہوگا۔

یہ بہت ضروری ہے کہ آپ اپنے آپ پر قابو رکھیں، اگر مطلوب رفتار سے بچہ کام نہیں انجام دے رہا ہے تو آپ صبر کریں اور ناامید بالکل نہ ہوں بلکہ بچہ کو چھوڑ دیں کہ وہ اپنی استطاعت اور اپنی رفتار کے مطابق زندگی گزارنا سیکھے۔

مزاج شخصیت کا خام مادہ ہوتا ہے، اس کی تبدیلی ممکن نہیں ہوتی، البتہ زندگی کے متعلق معلومات و تجربات کسی شخصیت کو خاص قالب عطا کرنے میں معاون ہوتے ہیں، مثال کے طور پر اگر کسی کے مزاج میں شدت احساس ہے تو زندگی بھر اس کے مزاج میں یہ چیز باقی رہے گی، کسی سزا سے اس عادت کو ختم نہیں کیا جا سکتا، اور اگر سزا کے ڈر سے وہ بچہ اپنی مزاجی خصوصیت کو دبانے یا اپنے اندر چھپا کر رکھنے کے لیے مجبور ہوا تو وہ اس کے سبب اندر ہی اندر گھٹنے لگتا ہے، پھر بعض اوقات جب پیمانہ لبریز ہوجاتا ہے تو وہ غصہ سے پھٹ پڑتا ہے، ایسے بچوں کے ساتھ ان کے مزاج کی رعایت کرتے ہوئے پیش

آنا چاہیے، اور یہ پتہ لگانا چاہیے کہ وہ کون سی چیزیں ہیں جو اس کے لیے غصے کا سبب بنتی ہیں، اور جن کے سلسلے میں وہ اپنے نفس پر قابو نہیں رکھ سکتا، اس کے لیے تعامل کی نئی راہیں کھولنی چاہئیں اس کی رعایت کرتے ہوئے کہ وہ ہمت نہ ہارے اور بے چینی محسوس نہ کرے، جو بچے دوسروں کی باتوں سے جلدی زخم خوردہ اور دل برداشتہ ہوجاتے ہوں، ان کے اس رویے کے اسباب کا جاننا اوران کا تدارک لازمی ہے، اس طور پر کہ ان کو زندگی کی مشکلات واونچ نیچ کا مقابلہ کرنے میں زیادہ حقیقت پسند بنایا جاسکے۔

آپ کی اورآپ کے بچہ کی زندگی محض اس طرح کی تمناؤں سے پرسکون وخوشگوار نہیں ہوسکتی کہ آپ سوچیں کاش بچہ کا مزاج ایسا نہیں بلکہ ایسا ہوتا، یہ خام خیالی اور بے کار کی تمنا ہے، خوشگوار زندگی کے لیے بہتر ہے کہ آپ اپنے بچہ کا مزاج سمجھیں اور پھر اس کے مطابق اس کے ساتھ معاملات کریں، اس سے کوئی فائدہ نہیں کہ آپ اس کے مزاج پر حسرت وافسوس کا اظہار کریں اور یہ تمنا کریں کاش اس کا مزاج فلاں کی طرح ہوتا، بلکہ آپ کو چاہیے کہ آپ اس کو اس کی مزاجی خصوصیت کے ساتھ قبول کریں اور پھر اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں کہ وہ ایک کامیاب انسان بن سکے۔

انسانی مزاج کی خوبصورتی کا راز اس کے تنوع اوراختلاف میں مضمر ہے، گزشتہ سطروں میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ جو چیزیں بچپن میں بچہ کے ساتھ معاملہ کرنے میں مشکل معلوم ہوتی ہیں بسا اوقات نوجوانی یا پختہ عمر میں وہی چیزیں اسباب کامیابی شمار ہوتی ہیں، لیکن اس کامیابی کا مدار بڑی حد تک بچپن میں بچہ کے ساتھ اس کے والدین اور دیگر لوگوں کے سلوک پر مبنی ہوتا ہے۔

شعور کی نشو نما: پرورش وپرداخت کے حوالے سے بچے کی مختلف ضرورتیں ہوتی ہیں، اس کی ضرورت مادی بھی ہوتی ہے، عقلی بھی ہوتی ہے اور شعوری بھی، اکثر والدین اس کی مادی ضروریات پوری کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، بعض اس کی عقلی ضروریات کا بھی خیال رکھتے ہیں، لیکن عام طور پر والدین اس کی شعوری ضرورت سے غافل رہتے ہیں، عام طور پر شعور کا اظہار بچہ کے خیالات، افکار، سلوک اور دوسروں سے اس کے تعلقات سے ہوتا ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بسا اوقات بچہ جسمانی اعتبار سے ترقی کرتا ہے، اسی طرح عقلی پہلو سے اپنی تعلیمی زندگی میں آگے بڑھتا رہتا ہے مگر شعور کے معاملہ میں وہ توازن اور ترقی نظر نہیں آتی جو مادی اور عقلی پہلوؤں کے پیش نظر ہونی چاہیے۔

شعور کی نشو نما میں کمزوری: شعور کی نشو ونما میں کمزوری کا اظہار عام طور پر اس سے ہوتا ہے کہ بچہ زیادہ تر خوش نہ رہے، اس کے ساتھ ساتھ اور بھی متعدد علامات ومظاہر ہیں جن سے شعور کے بیدار و بالغ ہونے یا شعور کی کمزوری کا پتہ چلتا ہے مثلاً:

- کھانا کھانے میں مشکل پیدا کرنا۔
- رات میں پیشاب کرنا بالخصوص تب جبکہ بچہ بڑا ہو چکا ہو۔
- ضرورت سے زیادہ خاموشی۔
- دوستوں کا کم ہونا اور کسی سے مشکل سے تعلقات بنا پانا
- جسمانی نشو ونما میں سست رفتاری۔
- زیادہ رونا، چھوٹی چھوٹی بات پر خوب غصہ کرنا۔
- بڑھتی عمر کے باوجود خوف اور والدین سے شدید تعلق
- دوسروں سے بالخصوص گھر سے باہر کثرت سے لڑائی جھگڑا کرنا۔
- سونے میں پریشانی اور کثرت سے ڈراونے خواب دیکھنا۔
- کثرت سے بہ تکلف مریض بننا اور کثرت سے تکالیف

کی شکایت کرنا۔

- اچھی ذہانت کے باوجود درسیات میں مہارت حاصل کرنے میں کمزور ہونا۔

شعور کی صحیح نشو ونما: اس کے بالمقابل ایک صحت مند بچہ عام طور پر خوش رہتا ہے اور زندگی کا لطف لیتا ہے، یہاں ہم بعض وہ علامات ومظاہر ذکر کرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بچہ کا شعور مناسب ومتوازن انداز سے ترقی کررہا ہے:

- ہر نئی چیز کی معرفت حاصل کرنے کی رغبت ہونا اور سیکھنے کا شوق ہونا۔
- ترقی کا شوق تاکہ اس مرحلہ تک پہنچے جس میں وہ بڑوں کی طرح کام کرسکے۔
- دوسروں سے دوستی اور تعلقات میں راحت محسوس کرنا۔
- وقت پر بغیر کسی پریشانی کے سوجانا اور صبح میں چستی و پھرتی کا اظہار کرنا۔
- کھانے کی اچھی بھوک ہونا۔
- جلوت پسندی اور لوگوں سے ملنے جلنے کی خواہش ہونا۔
- ایسا صلح پسند ہونا جو یہ جانتا ہو کہ دوسروں سے کیسے معاملات، محبت اور ہمدردی کا تبادلہ کرنا ہے۔
- جسمانی صحت اچھی ہونا۔
- درسیات میں فائق ہونا۔

شعور پر اثرانداز ہونے والے اسباب: بچہ کے شعور کی صحت وسلامتی پر متعدد اسباب اثر انداز ہوتے ہیں، کچھ کا تعلق تو وراثت سے ہے اور کچھ سماجی عناصر سے متعلق ہیں، لیکن اہم بات یہ ہے کہ گھریلو اثرات ہر حال میں باقی رہتے ہیں، ان اہم گھریلو اثرات میں سے کچھ یہ ہیں:

ازدواجی تعلقات: والدین کے ازدواجی تعلقات محبت ومودت پر مبنی ہیں یا ہر وقت نقد وطعن اور جھگڑے کا ماحول رہتا ہے، بچہ کے صحیح شعور کے پیدا ہونے میں اس کا بڑا دخل ہے، گھر میں اگر لڑائی جھگڑے کا ماحول ہے تو اس ماحول میں بچے کے اندر کبھی صحیح شعور نہیں پیدا ہوگا، اسی طرح والدین مشکلات اور پریشانی میں کیا انداز اپناتے ہیں، ایک دوسرے سے بات چیت کرتے ہیں، مشورہ کرتے ہیں یا پھر بغیر مذاکرہ ومشورہ اور حل کے یوں ہی چھوڑ دیتے ہیں، بچہ کا شعور اس عمل سے یقینی طور پر متاثر ہوگا، اس لیے اچھے خاندان میں کسی مسئلہ کے پیش آنے پر مشورہ ہوتا ہے اور اس کا مناسب حل نکالا جاتا ہے۔

والدین کا شعور: بچہ کا شعور صحیح طور پر پروان چڑھنے کے لیے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ والدین کا شعور پختہ متوازن اور صحیح ہے یا وہ اضطراب واکتاہٹ کے شکار ہیں، چنانچہ اگر کسی کے والد اضطراب کا شکار ہیں یا انہیں لوگوں سے خوف ہے تو بچہ کا شعور بھی ایسا ہی ہوگا کہ اس کو لوگوں پر بہت کم بھروسہ ہوگا، اور وہ اپنے والد کی طرح ہی مضطرب ہوگا۔ اور اگر والدہ شعوری طور پر رنج وغم کی شکار ہیں اور زندگی کے مختلف معاملات میں ان پر ناامیدی اور منفی نقطۂ نظر غالب ہے تو لازمی طور پر بچہ تردد اور اپنے تئیں بے اعتمادی کا شکار ہوگا۔

والدین کا طرز عمل: یہ بہت اہم ہے کہ گھر میں والدین کا کیا موقف رہتا ہے، وہ گھر میں تفریح کے لیے کھلے اور محبت سے معمور خوشگوار ماحول کے قائل ہیں یا پھر ان کا موقف اس کے برعکس ہے، وہ گھر کے اندر نشو نما کے مواقع فراہم کرتے ہیں یا نہیں، وہ پابندی کے ساتھ اپنے اسلوب تربیت پر نظر رکھتے ہیں یا نہیں اور اس طرح وہ اپنے بچہ کے سامنے تعامل کا بہترین اسوہ پیش کرتے ہیں یا نہیں، والدین کا اپنے سلسلے میں آس پاس کے لوگوں کے سلسلے میں، اور عام زندگی کے سلسلے میں جو بھی موقف ہوتا ہے، اس کا بچہ کے شعور

پر بہت اثر پڑتا ہے۔

بھائی بہنوں کی موجودگی: اگر گھر میں کئی بھائی بہن ہیں تو یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کیا اہل خانہ تمام بچوں پر توجہ دیتے ہیں، کیا وہ ہر بچہ کو اس طرح موقع دیتے ہیں کہ وہ اپنی صلاحیت و استطاعت کے مطابق پروان چڑھ سکے، اس لیے کہ بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ والدین پڑھنے میں سب سے فائق بچے کو دوسرے بھائی بہنوں پر ترجیح دیتے ہیں، اور ان کے درمیان امتیاز برتتے ہیں، والدین خواہ کتنا ہی اس تفریق و امتیاز کو چھپانے کی کوشش کریں لیکن بچے اس کو سمجھ لیتے ہیں اور اس طرح پھر حقیقی بھائی بہنوں کے درمیان ایک طرح کی حساسیت وجود میں آجاتی ہے۔

یہ لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ گھر کا عام ماحول اس طرح بنایا جائے کہ بچوں کی ایک دوسرے کا تعاون کرنے اور مل جل کر کام کرنے پر حوصلہ افزائی کی جائے نہ کہ ان کو ہمیشہ انفرادی عمل، مقابلہ آرائی اور مسابقت پر ابھارا جائے، کیوں کہ انسان کے اندر اجتماعی کام کرنے کی اسپرٹ اور اس کا طریقہ زندگی کے ابتدائی سالوں میں ہی پیدا ہوتا ہے جو وہ اپنے گھر اور اسکول میں گزارتا ہے۔

اپنے بچہ کو پہچانیے: اپنے بچہ کا شعور پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ اس کی بات سنیں، دوسروں کے ساتھ اس کے تعلقات پر غور کریں، بعض والدین کو اس پر بڑا تعجب ہوتا ہے کہ ان سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ وہ اپنے بچوں کو پہنچانیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اکثر والدین اپنے بچوں کو ان کے مزاج اور ان کے شعور کے اعتبار سے پہچانتے ہی نہیں، آپ خود اپنے آپ سے یہ سوالات کیجئے تو اندازہ ہوگا کہ آپ اپنے بچہ کو کس حد تک پہچانتے ہیں، یہ سوالات صرف نمونے کے طور پر ہیں ورنہ اس سے کہیں زیادہ سوالات کیے جا سکتے ہیں، ان میں سے بعض سوالات آپ کو حیران کردیں گے جبکہ بعض کا جواب آپ خود جانتے ہوں گے:

- آپ کے بچہ کا پسندیدہ کھانا کون سا ہے۔
- وہ اپنے پاس موجود پیسوں کو کیسے خرچ کرتا ہے۔
- وہ آخری بار گھر کے باہر کب گیا اور کس کے ساتھ گیا۔
- جن دوستوں کو وہ ترجیح دیتا ہے ان کے نام کیا ہیں۔
- وہ آخری بار ڈاکٹر کے پاس کیوں گیا اور کس لیے گیا۔
- اس کی پسندیدہ معلّمہ کون ہے۔
- اگر اس کو کوئی معاملہ درپیش ہو تو وہ کس کے پاس جاتا ہے اور کس سے بات کرتا ہے۔
- سب سے بری چیز اس کی نظر میں کیا ہے جس کے ہونے سے وہ ڈرتا ہے۔
- کیا وہ جانتا ہے کہ کس وجہ سے آپ آخری مرتبہ اس سے ناراض ہوئے۔
- آخری بار وہ کیوں رویا۔
- اکثر آپ کی کون سی چیز اس کو پریشان کرتی ہے۔
- اکثر آپ کی کون سے چیز اس کو غمگین کرتی ہے۔
- اپنے دوستوں سے آپ کا ذکر کس انداز میں کرتا ہے۔
- آپ کے دوستوں سے وہ آپ کا تذکرہ کس انداز میں کرتا ہے۔
- کون سے کام اس کو زیادہ محبوب ہیں۔
- اس کا آخری سب سے اچھا کام achivement کیا ہے۔
- زیادہ تر وہ کس چیز سے خوش رہتا ہے۔
- کون سی چیز بطور ہدیہ وہ شوق سے قبول کرتا ہے۔

(**جاری**......) ☆☆☆

□ فکر اسلامی

(قسط-۱۵)

مفکر اسلام- ایک مطالعہ

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

سیاست کی اہمیت:

جو لوگ مولانا کے خاندانی مزاج سے واقف ہیں انہیں اس وقت بھی حیرت ہوئی اور اب بھی تعجب ہوتا ہے کہ مولانا نے سیاست میں کیسے دلچسپی لی، لیکن اس ملک میں اس کی ایسی زبردست اہمیت ہے کہ حضرت مولانا جیسے مفکر کو یہ ناگزیر معلوم ہوا کہ سیاست میں دلچسپی لی جائے چنانچہ مولانا مسلم مجلس مشاورت کے داعی ہی نہیں بلکہ بانی کی حیثیت سے میدان عمل میں آئے، اس کام کی اہمیت کے پیش نظر مولانا اس میدان میں کوششیں کرنے والوں کو ہمیشہ بڑی وقعت اور عزت کے ساتھ دیکھا کرتے تھے، قوم کی سیاسی رہنمائی کرنے پر جن لوگوں نے مولانا کو حیرت واستعجاب کی نظر سے دیکھا ان کو مولانا نے نہ صرف اس کا جواب دیا ہے بلکہ ذیل کے اقتباس میں اس ملک میں مسلمانوں کے لئے سیاست کتنی اہمیت رکھتی ہے اس پر بھی روشنی پڑتی ہے!

''اس کا اصل جواب یہ ہے کہ ایک ایسے دور میں جب حکومتوں کا دائرۂ عمل محاصل کی وصولیابی، انتظام مملکت اور دفاع تک محدود نہیں رہا ہے، وہ زندگی کے ہر شعبہ میں دخل دے سکتی ہیں، اور ہر شعبہ کے لئے نئے نئے قوانین بنا سکتی ہیں، پورے ملک کے لئے مشترک عائلی قوانین (Uniform Civil Code) بنا سکتی ہیں، نئی نسل کی مخصوص ذہنی و اخلاقی تشکیل کے لئے، نیا نظام ونصابِ تعلیم وضع کرسکتی ہیں، جو نئی نسل کے عقائد، مسلمات تک پر اثر انداز ہوسکتا ہے، اور اس کا رشتہ اپنے ماضی اور اپنی تہذیب وثقافت سے منقطع کرسکتا ہے، زبان ورسم الخط کی تبدیلی کا بھی اختیار رکھتی ہیں، یہ حکومتیں عمومی انتخابات کے ذریعہ وجود میں آتی ہیں، اور ٹوٹتی ہیں، ایسے دور میں جب حکومتوں کا دائرہ اتنا وسیع اور پوری زندگی پر حاوی ہے، اور ایسے ملک میں جہاں، اپنے حق رائے دہندگی، سیاسی اثر ونفوذ اور دانشمندی کے سوا کوئی ذریعہ اپنے تحفظ یا کسی خطرہ کو روکنے کا نہیں ہوسکتا، ایک ایسی ملت ملک کی سیاسیات اور جمہوری طریقہ سے اثر انداز ہونے سے کیسے کنارہ کشی اختیار کرسکتی ہے، جس کے دین کا دائرہ اور تصور پوری زندگی پر محیط ہے، وہ ''مذہب بندہ اور خدا کے درمیان کا معاملہ ہے'' کے مسیحی تصور پر یقین نہیں رکھتی، اس کا مذہب دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں (زندگی پر حاوی اور محیط ہونے کی وجہ سے) زیادہ ذکی الحس اور جلد متاثر ہونے والا ہے، اس ملت کے لئے جو لوگ سیاست کو شجرۂ ممنوعہ نہیں بلکہ ''الشجرۃ الملعونۃ فی القرآن'' کے تصور کی تلقین کرتے ہیں، اور اس کو ذہنی اور عملی عزلت کا مشورہ دیتے ہیں، یا اس کو اس کی تلقین کرتے ہیں کہ پارسی اور مارواڑیوں کی طرح محض رفاہی و خیراتی ادارے قائم کرنے یا اپنے اقتصادیات اور اپنی مالی پوزیشن کو مضبوط کرنے یا تعلیم کا معیار بلند کرنے کی طرف کلیۃً متوجہ رہیں، وہ حقیقت میں مسلمانوں کو اجتماعی و ملی خودکشی کا مشورہ دیتے ہیں کہ مسلمان

اس طرح نہ اپنے ملی تشخصات کی حفاظت کرسکیں گے نہ اپنے فرائض وشعائر، دینی اور عائلی قوانین کے ساتھ باقی رہ سکیں گے، نہ اپنا اعتقادی وتہذیبی تسلسل برقرار رکھ سکیں گے، اور قیادت ودعوت کا مسئلہ تو الگ رہا (جو اس ملت کا حقیقی منصب ہے) اس ملک میں آزاد باعزت طریقہ پر زندگی بھی نہیں گذار سکیں گے۔

میرا جس مخصوص علمی وذہنی ماحول میں نشو ونما ہوا تھا، اور جس کا زندگی کے حقائق اور باہر کی زندگی سے برابر رابطہ رہا اس نے مجھے کبھی یہ طرز فکر اختیار کرنے کی اجازت نہیں دی، اور میں مخصوص دور اور ملک میں رہتے ہوئے، مسلمانوں کے ملی مسائل کی اہمیت اور ان کے لئے جدوجہد کی ضرورت سے کبھی آنکھیں نہیں بند کرسکا، اس تعلیم وتربیت کا بھی اثر تھا کہ میں نے اپنے اصلی عملی ودینی رجحان اور تعلیمی وتصنیفی مشاغل کے باوجود ان مسائل سے دلچسپی لی اور کم سے کم جو لوگ ان کے لئے جدوجہد کررہے تھے، ان کی میرے دل میں عزت، اور ان کے کام کی قدر وقعت پیدا ہوئی اور جب موقعہ آیا میں نے اپنے دائرہ میں رہتے ہوئے ان کے ساتھ تعاون میں کمی نہیں کی''۔ (کاروان زندگی ج۲ص ۸۵-۸۶-۸۷)

یہی نہیں بلکہ آخر تک مولانا کا خیال یہی رہا کہ اس ملک میں مسلمانوں کو اپنا سیاسی وزن ثابت کرنا چاہیے، اور پھر جب پورے ملک ومعاشرے میں فساد، استحصال، انسانی جانوں کو قتل کرنے کا اجتماعی ذوق پروان چڑھ جائے تو پھر گوشۂ عافیت اختیار کرنے کا کوئی جواز نہیں، مولانا نے اپنا ایک انٹرویو نقل کیا ہے اس کو من وعن یہاں نقل کیا جاتا ہے، اس سے نہ صرف اس وقت علماء کو ایک بصیرت ولائحہ عمل ملے گا بلکہ مولانا کی تڑپ، وقت کی ضرورت اور سیاست کی اہمیت واضح ہونے کے ساتھ، نیت کی صفائی اور خلوص پر بھی روشنی پڑے گی، اور شاید اس سے رہنمائی بھی حاصل کی جاسکے گی!

''**سوال**:- ابھی آپ کی تازہ تصنیف ''حیات عبدالحیؒ'' شائع ہوئی، اس کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ آپ کے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی صاحبؒ اور آپ کے دادا، پردادا سب خاموش علمی اور دینی مزاج کے بزرگ تھے، جن کا اصلی ذوق اور پسندیدہ مشغلہ تصنیف وتالیف اور تصوف وسلوک تھا، ۱۹۶۴ء سے پہلے ہمیں آپ کی بھی کسی عملی سیاسی دلچسپی کا علم نہیں، علم ومطالعہ اور تصنیف وتالیف کے ساتھ سیاست کا نباہ ہمیشہ سے مشکل رہا ہے، اور اس کو شیشہ وآہن اور پنبہ وآتش کا ساتھ سمجھا گیا ہے، آپ کے لئے سیاست کے میدان میں آنے کا کوئی خاص محرک پیش آیا، اور آپ کے مزاج میں واقعتاً کوئی تبدیلی ہوئی ہے، یا اس کی حیثیت محض ایک شہرت اور تہمت سے زیادہ نہیں؟

جواب: آپ کا یہ استعجاب بے جا نہیں، واقعی جو میرے خاندانی بزرگوں کے حالات سے واقف ہیں، ان کو اس میں ایک تضاد سا محسوس ہوتا ہے۔

لیکن آپ شاید بھول گئے کہ میرے خاندانی بزرگ مختلف دوروں میں اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور دین کی سربلندی کے لئے میدان میں آتے رہے، اور اس کے لئے انہوں نے بارہا اپنے گوشۂ عافیت اور اپنے محبوب مشاغل کو خیرباد کہا، ان میں تیرہویں صدی ہجری کے مجاہد اعظم حضرت سید احمد شہیدؒ کا نام اور کام سب سے زیادہ روشن ہے، یہ بھی آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے عنفوان شباب ہی میں ان کی سیرت لکھی جو ''سیرت سید احمد شہیدؒ'' کے نام سے ۱۹۳۹ء میں چھپ کر مشہور ومقبول ہوچکی تھی، اس کتاب کے سلسلہ میں قدرتاً ان کی دعوت وعزیمت کے پہلو کو سب سے زیادہ نمایاں اور اجاگر کرنا پڑا، ایک مصنف کی حیثیت سے بھی اور خاندانی تعلق اور عقیدت کی

بناء پر بھی اس نوعمری میں اس کا دل و دماغ پر اثر پڑنا اور پیوست ہوجانا ایک قدرتی امر تھا، اس سے یہ نقش لوح دل پر ثبت ہوگیا کہ اقبال کے الفاظ میں ''خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات'' پر ''وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل'' کو ہمیشہ ترجیح حاصل رہے گی۔

لیکن اس یقین و ذوق پر رفتہ رفتہ میرے علمی و تصنیفی مشاغل غالب آتے چلے گئے، اور انہوں نے پھر مجھے مطالعہ و تصنیف کے گوشۂ عافیت میں پہونچا دیا، لیکن دل کی یہ خلش برابر قائم رہی کہ جب پورے ماحول میں بگاڑ پھیل گیا ہو، اور اس کی کشتی میں سوراخ ہو جس میں ہم سب سوار اور ہمارا سارا انسانی اور ملی اثاثہ بار ہے، ان مشاغل اور کوششوں کا کہاں تک جواز ہے، جن کا فائدہ چند افراد تک محدود اور جن کے نتائج سالہا سال کی مدت میں ظاہر ہوتے ہیں؟ اس کا پہلا نتیجہ وہ سفر تھا، جو میں نے ۱۹۶۴ء میں کلکتہ، جمشید پور اور راوڑ کیلا کا کیا، اور اس کے نتیجہ میں مسلم مجلس مشاورت کے قیام وتشکیل میں نہ صرف شریک رہا بلکہ اس کے داعی اور دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اس کے انعقاد کی وجہ سے اس کے اصل میزبان بننے کی ذمہ داری قبول کی، اس وقت ایک طرف ہندوستان کے مختلف فرقوں کے درمیان اتحاد و اعتماد بحال کرنے، عداوت اور نفرت دور کرنے، اور انسانیت و ہم وطنی کے احترام کی طرف مائل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، تاکہ پرسکون فضا اور معتدل (Normal) حالات میں ہر طرح کے تعلیمی، تعمیری، اصلاحی اور تحقیقی کام کئے جاسکیں، اور ملتِ اسلامی نہ صرف اپنا تسلسل باقی رکھ سکے، بلکہ اس ملک اور اہل ملک کو صحیح راستہ اور روشنی دکھا سکے، اور اس طرح خیر امۃ کا فرض انجام دے سکے، دوسری طرف مسلمانوں میں خود اعتمادی پیدا کرنے کے لئے ان کو ایک اسٹیج پر لانے اور ان کی مختلف جماعتوں کے (توڑنے یا ایک جماعت میں مدغم کرنے کے بجائے) ایک وفاق بنانے کا خیال پیدا ہوا، جو مشترک مقاصد پر متفق اور اپنے مخصوص کاموں میں بدستور سرگرم رہیں، یہ وہ پس منظر تھا، جس میں ۱۵/۱۶/اگست ۱۹۶۴ء کو لکھنؤ میں مسلم مجلس مشاورت قائم ہوئی اور میں نے اس کے وفد کے ساتھ بہار، اڑیسہ، اور گجرات کا دورہ کیا، جس میں تعمیری پرمغز اور روح پرور تقریریں ہوئیں، سچی حب الوطنی، صحیح انسان دوستی، انسانی جان و مال، اور عزت وآبرو کی قدر و قیمت کا بڑی طاقت اور خوبی سے احساس دلایا گیا، ملک کے لئے حقیقی خطرہ کی نشاندہی کی گئی، ایک طرف مختلف الخیال مسلمانوں کو، دوسری طرف دور رہنے والوں اور ہندو مسلمانوں کو بار بار مل کر بیٹھنے اور قریب سے ایک دوسرے کو دیکھنے کا موقعہ ملا۔

سوال: معاف کیجئے گا آپ نے ملک کی سیاسیات اور انتخابات میں مسلمانوں کے طرزعمل کے تعین کے مسئلہ سے کیوں دلچسپی لی؟ جبکہ آپ کا مزاج بالکل غیرسیاسی اور زندگی خالص دینی وعلمی گذری ہے؟

جواب: ۶۷ء کے عمومی انتخابات کے موقعہ پر میرے ذہن پر اس بات کا غلبہ تھا کہ مسلمان اس ملک میں اپنا سیاسی وزن ثابت کرنے کے لئے اور اس حقیقت کے اظہار کے لئے وہ پاسنگ یا فیصلہ کن طاقت کا درجہ رکھتے ہیں، کسی سیاسی پارٹی یا حکمراں جماعت کے پابند نہ رہیں، اور اپنے حق رائے دہندگی کا آزادانہ استعمال کریں، یہ وہ زمانہ تھا جب یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ مسلمانوں کا مستقبل اور قسمت مستقل طور پر کانگریس سے وابستہ ہے، اور مسلمانوں کے ووٹ اس کی جیب میں پڑے ہوئے ہیں، ہم یہ چاہتے تھے کہ یہ بات واضح ہوجائے کہ مسلمانوں نے کسی جماعت کے نام خط غلامی نہیں لکھدیا ہے، میں اس وقت بھی اس خیال کا تھا، اور اب بھی اس

خیال کا ہوں کہ مسلمانوں کو کبھی کبھی اپنے عمل سے یہ ثابت کرنا چاہئے کہ جس طرح ان میں نفع پہونچانے کی صلاحیت ہے، ضرر پہونچانے کی بھی صلاحیت ہے (چاہے وہ اپنی شرافت سے کسی وقت اس کا ثبوت نہ دیں) تاکہ کوئی جماعت ان کو صرف نفع کا ذریعہ سمجھ کر ان کے حقوق ومسائل سے مسلسل چشم پوشی نہ برتے، میں اس وقت اکثر اقبال کے یہ دو شعر پڑھتا تھا۔

تمیز خار و گل سے آشکارا
نسیم صبح کی روشن ضمیری
حفاظت پھول کی ممکن نہیں ہے
اگر کانٹے میں ہو خوئے حریری''

(کاروان زندگی ج۲ص۸۷تا۹۱)

سیاسی رھنمائی

۱۹۸۹ کے لوک سبھا الیکشن کے پیش نظر ایک عجیب کشمکش تھی، ایک طرف کانگریس نے مسلم پرسنل لا میں مسلمانوں کی حمایت میں بل پیش کیا اور دوسری طرف بھاگلپور کے قیامت خیز فسادات اور شیلا نیاس کے اثرات تھے، ایسی صورت حال میں کانگریس کی حمایت بھی نہیں کی جاسکتی تھی اور اس سے آنکھیں بند کر کے دوسرا راستہ اختیار کرنا بھی مشکل تھا، الیکشن کے نتائج آئے تو جنتا دل اور بھاجپا وغیرہ کے اتحاد سے حکومت بنی، مولانا نے فوراً ایک مضمون قلمبند کیا جو متعدد اخبارات میں شائع ہوا اور اس کو مولانا نے وزیر اعظم VP SING کے پاس بھی بھیجا، کسی طور پر بھی مولانا قوم کو بیچ دھارے میں چھوڑنے یا شش وپنج کی حالت میں چھوڑ دینے کے قائل نہ تھے، ہر آن جو بن پڑتا تھا وہ کرتے تھے، نہ خاموشی تھی نہ یکسر چشم پوشی اور نہ کوئی مفاد، یہی کیفیت کسی کو مسیحا بناتی ہے اور پھر وہ چین سے بیٹھنا گوارا نہیں کرتا، مذکورہ صورت حال کے شدید احساس نے

مولانا سے ''سیاسی تبدیلی ایک صحتمندانہ علامت'' کے نام سے ایک مضمون لکھوایا، جس کے بعض اقتباسات ملاحظہ کریں:۔

''کسی سیاسی پارٹی یا قیادت کا بلا ترجیح واستحقاق کے مدت دراز تک منصب قیادت پر فائز رہنا اور ملک کے نظم ونسق پر حاوی اور قابض رہنا بہت سی خرابیوں کا باعث ہوسکتا ہے، ایسی اجارہ داری (MONOPOLY) کی شکل میں اس جمہوری حکومت اور سیاسی وآئینی حکمراں جماعت میں طویل المیعاد خاندانی وموروثی سلطنتوں اور حکمراں خاندانوں میں پیدا ہوئیں، اور جن کی تفصیلات اور مثالیں ہر ملک کی تاریخ میں موجود ہیں، یہ فطرت انسانی ہے، جس سے بچنا اور جس پر غالب آنا تقریبا خلاف فطرت اور بعید از قیاس واقعہ ہے،

اسلام میں تقسیم نھیں

ظاہر ہے کہ اسلام نے زندگی کے ہر گوشہ میں اپنی گراں قدر رہنمائی فراہم کی ہے اور جناب رسالت مآب ﷺ نے اس کا بہترین نمونہ پیش کیا ہے، حضرت مولانا نے ملیشیا میں دعوت سے متعلق نوجوانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''ملت کی پوری زندگی اور معاشرہ کو اسلامی تعلیمات اور اسلامی زندگی کے سانچہ میں ڈھالنے اور اس کے رنگ میں رنگنے کی ضرورت ہے، اسلام میں ''ریاست'' و''کلیسا'' و ''اجتماعی'' و''انفرادی'' زندگی اور ''عبادات'' اور ''احوال شخصیۃ'' (پرسنل لا) کی ایسی تقسیم نہیں کہ ان میں سے کوئی اسلامی تعلیمات کے مطابق اور کوئی بالکل آزاد اور خود ساختہ قوانین کے ماتحت ہو'' (کاروان زندگی ج۳ص۲۴۹)

(**جاری**......)

☆☆☆

❑ زبان و تہذیب (آخری قسط)

اردو کا رواج ٹیپو سلطان کی فوج میں

از ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ (متعلم بی۔اے)/ پیشکش: محمد شعیب ندوی

چونکہ یہ آخری باب ۵ انہیں اشعار کے بعد ہے اور اسی ورق پر ہے جس پر کئی ایک غزلیں ہیں اس لئے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ جب یہ مہینے سلطانی سلطنت میں مروج تھے تو ان فوجی غزلوں کے رواج کو بعید از قیاس نہیں سمجھا جا سکتا خصوصاً ہمارا نسخہ ٹیپو سلطان کی وفات سے کوئی چودہ سال قبل نقل ہوا ہے۔ فارسی کی بجائے اردو اشعار کی غالباً یہ وجہ ہے کہ اس زمانہ میں سرکاری زبان فارسی تھی لیکن ملک میں اردو خود مروج تھی اور سپاہیوں میں سے اکثر کی مادری زبان تھی۔

فوجی گانوں میں جو بیتیں سب سے زیادہ مستعمل تھیں وہ یہاں نقل کی جاتی ہیں:

غزل: وقتِ آہستہ قدم پشتو۔

ملکِ ہندوستان میں دیں کا وہی سلطان ہے
غرق جس کے آبِ خنجر میں فرنگستان ہے
کیا ہے نسبت جاہ و حشمت میں سکندر سیں تجھے
بارگاہِ قدر کا دارا تیرا دربان ہے
ہے وہی انسانِ کامل جس میں ہو معنی کی بو
نقش دیبائی وگر نہ صورتِ انسان ہے

مذکورہ بالا غزل غالباً آہستہ روی کے وقت بجائی جاتی تھی اور مندرجۂ ذیل تیز روی کے وقت:

غزل: وقتِ جلد قدم ہندول

بجا ہے کہیئے اسی کو شہ خواص و عام
کہ جس کے رعب سیں لرزاں ہے آفتاب مدام
لقب ہوا اسے سلطانِ دیں اسی خاطر
کہ ہے مروج شرع اور خامیٔ اسلام
جہاد یہاں تیئں رائج کہ عہد میں جس کے
ندیکھی تیغ کبھو خواب میں ب روئی نیام

غالباً نیزوں تک سے لڑائی کے وقت بجائی جاتی تھی:

غزل: وقتِ ضربِ سنان- جنگلہ

یا الٰہی رہے تا حشر وہ سلطانِ جہاں
جس کے ہے عدل سیں سرسبز گلستانِ جہاں
سرنوشت آیۂ فتح است 'علم' کے جس کے
کیوں نہ دیں باج اسے جملۂ شاہانِ جہاں
حیدری رسم کو احیا کرے عالم جو کوئی
ہے بجا کہیئے اگر اس کے تیئں جانِ جہان

صبح سویرے یہ غزل بجتی تھی:

فرنگ و زنگ تری تیغ سے کیوں نہ لرزاں ہو
کہ جس کے خوفِ دم سیں برق ہر دم پا بہ داماں ہو
دعا کرتا ہے ہریک مور جس وادی سیں تو گزرے
کہ یارب یہ جہاں داور زمانہ کا سلیماں ہو
لبِ ہر ذرہ سیں یہ لفظ نکلے ہے بصد آمیں

فلک پر مہر ہے جب تک زمیں پر ٹیپو سلطاں ہو

مذکورۂ ذیل کی غزل فوج کے بدلنے کے موقع پر بجائی جاتی تھی:

غزل وقتِ تبدیل منقلا پنج گھڑی روز بمانده-توری

بلبل ثنا کرے ہے جب گل کی گلستاں میں
میں خلق کا تیرے وصف کہتا پھروں جہاں میں
گر یا وخلق تیرا گزرے چمن کے دل پر
ہر خار بارلاوے صد دستہ گل خزاں میں
طاقِ بلند نسیاں ہے جای نام کسریٰ
شہرا ہوا تیرا عدل از بسکہ اب جہاں میں

یہ رباعی صبح میں بجائی جاتی تھی:

رباعی وقت نشان سنہ یاس روز گزشتہ- سارنگ

روشن ہے تیرے سیں اب چہ ما چیں و چہ زنگ اے مہو جمال
انگشت نما ہے تیغ تیری در شہر فرنگ مانند ہلال
اودے تیرے عدل سیں یہ صورت جگے میں بے رنگ گذاف
پالے ہے جگہ بغل میں اپنے آئینہ کو سنگِ فرزند مثال

غزل وقتِ شاں یعنی دو گھڑی روز باقی مانده- کوری

خلق تیرا کرے جو عطاری
آوے یوسف پئے خریداری
ہجر کی رات دیدۂ عاشق
بخت سیں تیرے سب کی بیداری
اوٹ گیا اب جہاں میں نامِ خراب
ہے تیرے عدل کی یہ معماری

غزل وقتِ توپ شب کہ یک پاس گذشتہ می زنند- کلیان

ازل سے ہو جو مسمی بظلّ الٰہی
اسی سے سیکھے فریدوں رسمِ جمجاہی
رہے نہ یوں بر خورشید میں قبای فلک
ہو چست ہے تیرے جامہ پو خلعتِ شاہی
الاہی جب تئیں قائم ہے آسماں وزمین
مطیع حکم ہوا اس کا زماہ تاماہی

خوشی اور مسرت کے وقت یہ اشعار بجائے جاتے تھے:

غزل: در وقتِ سرور وفرحت -پوربی

ندیکھے خواب میں روئے زوال اے ظل سبحانی
اگر خورشید سیکھے تجسے آئینِ جہاں بانی
مجسم ہو تیرا اگر حسن خلق اے آیۂ رحمت
لگا لے یک گریباں سکھے تجھ سے سرباماہِ کنعانی
الٰہی یہ شہ انجم حشم گردش سیں گردوں کے
نہ ہو خورشید کے مانند گاہے چیں بہ پیشانی

کسی کو بطور سزا تشہیر کرایا جاتا تو اس کے ساتھ یہ ڈھنڈورا پٹتا:

غزل: در وقت تشہیر مردِ گنہگاریمن

ذات سیں تیرے ہے قائم عدل اے جمجاہ وبس
حکم سیں تیرے ہے نکلا عدل کے دل کا ہوس
عدل کے شحنہ سے تیرے اے شہ بیدار بخت
خواب شیریں خوش کیا ہے خامۂ چشم عمس
کہ عدو پاوے اماں تجھ (تیری) تیغ سیں کائے ہے جب
زندگی اپنی کے رہ نالہ ہی میں مثل جرس

غزل: وقت تشہیر زن گنہگار - دھناسری

بہرام ہراساں ہے تیرے خنجر بر چرخ دورنگ
چمکے ہے درخش تیرے کرّ و فر سیں اے اصفدر جنگ
تجھ تیغ کا اب گرچہ درکشورِ ہند ہے موج میں لنگ

نونیزہ گذر گیا ہے پانی سر سیں در ملکِ فرنگ

کوچ کے لئے سپاہیوں کو جمع کرنے کی آواز میں یہ بجتا تھا:

غزل: در وقت طنبور اول کوچ- شام کلیان

ہے تیرا بندۂ فرمان نہ تنہا بہرام
حلقہ درگوش پے ہے چرخ مہ نوسے مدام
مشتری دام کرے اس سے سعادت دایم
کوکبِ بخت کا تیرے جو ہو کیوان غلام
ابلق چرخ تیرے حکم پہ کیوں کر نہ پھرے
کہ ازل سے تیرے کف میں ہے زمانہ زمام

غزل: در وقت طنبور ویم کوچ- للت

تاباں ہے برج اوج میں وہ آفتاب آج
خورشید جس کی شرم سیں ہے آب آب آج
ہو نشہ بآبِ آتش فردا اگر عدو
شمشیر سیں تیرے پے یک قطرۂ آب آج
رائج ہے طبع سیں تیری از بسکہ راستی
زلفِ پری رخاں سیں اٹھا پیچ و تاب آج

تیسری آواز پر دو مخمس بجتے تھے:

ہے علم داروں میں تیرے چرخِ اطلس فام ایک
نیز دارانِ کمی تیرے سیں ہے بہرام ایک
بزمِ ہمت کا تیرے ہے مہرِ زریں جام ایک
ہفت بد بھر ہے تیرا مد انعام ایک
الغرض عالم میں ہے تو داورِ ایام ایک
پنجۂ ہمت تیرا جب سیں سخا آئیں ہوا
کوہ کے دامن سیں دامن آنہ کا سگیں ہوا
عدل کا شہرہ تیرا از چین تا اسپین ہوا
جلوہ آرا ہند کا ایسا جو ماہِ دین ہوا
کیا عجب گر بعد ازاں ہوئے جو صبح وشام ایک

منتشر سپاہیوں کو جمع کرنے پر:

غزل: جہتِ اجتماع مردم متفرق- کھیماج

اے آفتاب! جلوہ دہِ آسمانِ عدل
شاداب ہے تیرے سے اب گلستانِ عدل
پے لکنت وروخ کہے ہے یہ حرف راست
بہتر تیرے سیں کون ہو شاہِ جہانِ عدل
جزو صف تیری ذات کا ہرگز سنے نہ کوئی
گویا بیانِ قال سیں گر ہو زبانِ عدل

واضح رہے کہ بعض مصرع موزوں نہیں معلوم ہوتے۔ اصل کا پوری طرح لحاظ رکھا گیا ہے لیکن کسی اور نسخے کی غیر موجودگی کے باعث مقابلہ نہیں کیا جاسکا۔

(مشکل قدیم الفاظ بہت کم ہیں "سیں"، "سے" کی جگہ ہر مقام پر مستعمل ہوا ہے۔ مصرع دوم آخری غزل کے سوا جہاں "سے" ہی اصل میں بھی لکھا ہوا ہے۔ اس کے سوا "تجھ" "تیرے" کے معنی میں اور "تیئں" "تک" کے لئے رائج ہے۔ "گ" پر مرکز اصل میں نہیں ہے لیکن سہولت کے لئے اس مضمون میں لگا دیا گیا ہے اور چار اعراب بھی بڑھا دیے گئے ہیں، آسانی کے لئے بعض الفاظ کے نیچے معنی کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ہر غزل ایک کاص طرز میں بجائی جاتی تھی جس کے نام بھی اصل میں لکھے ہوئے ملے ان کی تشریح اس لئے ضروری نہیں کہ اس کا وقت فارسی میں باز وہی موجود ہے)

یہ مختصر کیفیت ہے جو فتح المجاہدین کے مطالعے کے بعد مرتب کی گئی۔

☆☆☆

آخری صفحہ

تعارف وتبصرہ

تبصرہ نگار: ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

نام کتاب: نقوش افکار
مصنف وناشر: وارث ریاضی
صفحات: ۲۷۵
قیمت: ۳۰۰
ملنے کے پتے: مکتبہ جامع، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، دارالمصنفین اعظم گڑھ۔

زیر نظر کتاب جناب وارث ریاضی صاحب کے متنوع مقالات کا مجموعہ ہے، وارث ریاضی صاحب کے نام سے معارف کے ذریعہ واقفیت تھی، ان کے نقوش دل غزلوں کی شکل میں معارف کے صفحات پر کئی مرتبہ نظر آئے، ''نقوش افکار'' میں ان کی خوبصورت نثر دیکھی تو حیرت کی انتہا نہ رہی، کیوں کہ عام طور پر شاعری اور نثر نگاری کا اجتماع محال سمجھا جاتا ہے، اگر چہ اس محال کو متعدد اصحاب قلم سہل ثابت کر چکے ہیں اور وارث ریاضی صاحب بھی اب ان ہی باکمال افراد کی صف میں شامل ہو چکے ہیں، ان مقالات کی خوبی صرف نثر کی نیرنگی تک محدود نہیں، بلکہ ان کے علمی رنگ وآہنگ نے انہیں نور علی نور کا مصداق بنا دیا ہے۔

اس مجموعہ میں تعلیم، اسلامیات، اقبالیات، شخصیات اور ادبیات جیسے متنوع موضوعات پر ۱۹ مضامین ومقالات شامل ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ اس مجموعہ کا ہر مضمون بھر پور ہے، یہ سب کے سب معارف، تہذیب الاخلاق جیسے رسائل میں شائع ہو چکے ہیں، اس میں کیا شک کہ مجموعہ تمام مقالات کو محفوظ کر دیتا ہے مگر اس کے باوصف اس میں بعض مقالات ایسے ہیں جو ذرا سی توجہ کے بعد تنہا رسالہ کی شکل میں شائع کرنے اور عام کرنے کے لائق ہیں، تعلیم کے موضوع پر ''تسلط ہے دنیا پہ دانش وری کا'' جس قدر عام کیا جائے کم ہے، بلکہ ایسے مضامین کی ہر زبان میں اشاعت اب ضروری ہے، اسلامیات کے زمرے میں ''ہندستانی معاشرے میں طہارت و پاکیزگی کا مسئلہ'' مقالہ نگار کی فہم و فراست، علمی پختگی اور وسعت نظر پر دلالت کے ساتھ اسلامی تعلیمات کو علمی اور عصری اسلوب میں پیش کرنے کا ہنر سکھاتا ہے، فکری پختگی اور مطالعہ کی وسعت کے ساتھ علمی رنگ کی مثال ''خواجہ نظام الدین اور سجدہ تحیت'' کے عنوان سے شامل مضمون میں بھی صاف نظر آتی ہے، اس ضمن میں ایک دلچسپ مضمون ''فتح مکہ غیر مسلم دانشوروں کی نظر میں'' شامل ہے، ظاہر ہے کہ یہ مجموعہ متعدد، ظاہری ومعنوی خوبیوں سے آراستہ ہونے کے باوصف اس سے مبرا نہیں کہ اس کے تمام تر مندرجات سے اتفاق ہی کیا جائے، اختلاف کی گنجائش باقی رہنا بھی نگارشات کی علمی حیثیت مسلم ہونے کی دلیل ہے، ''تصوف ائمہ مجتہدین اور علمائے اسلام کی نظر میں'' ایک ایسا مقالہ ہے جس پر تفصیل سے تبصرہ کیا جا سکتا ہے، یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اس موضوع پر اختلاف کی ابتدا تزکیہ و احسان سے تصوف کی اصطلاح اخذ کرنے سے ہوئی، کوئی بھی اصطلاح اپنے لسانی، علاقائی اور مکانی اثرات سے خالی نہیں ہوتی، کسی نہ کسی درجہ میں ریاضی صاحب نے مضمون کے آخر میں اس کا اعتراف کیا ہے، ورنہ کون صحیح الفکر شخص ہے جو تزکیہ واحسان پر انگلی اٹھائے، تزکیہ واحسان قرآن وسنت کی اصطلاح ہے اور تصوف سے بھی یہی مقصود ہیں، تزکیہ انسانی زندگی کی ضرورت ہے، اس کے بغیر انسان، علم ادارہ سب بے کیف و بے نور مگر تصوف کی اصطلاح، اس کے خاص رموز اور اس کے حدود ولواحق نے تعلیم، علماء اور مدارس تک کو تزکیہ جیسے لازمی عمل سے محروم کر دیا اور اس کو خاص ظرف اور خاص اشخاص کے ساتھ مختص کر دیا، شاہ ولی اللہؒ نے صاف فرمایا تھا کہ ہمارے نزدیک پسندیدہ چیز صرف ''احسان'' ہے، اس مقالے میں ایک مقولہ امام مالک کی طرف منسوب نقل کیا گیا ہے کتاب میں جس کا حوالہ بھی مبہم درج ہے،

لیکن اس مقولہ کی اہل علم نے خاصی جرح کی ہے اور اسے موضوع تک قرار دیا ہے، اس کی نسبت امام مالک کی طرف غلط ثابت کی گئی ہے، لفظی ومعنوی اعتبار سے بھی اس کی نسبت امام مالک کی طرف مناسب نہیں معلوم ہوتی، بہرحال تزکیہ واحسان کے مسلم الثبوت اور انسانیت کے لئے ضروری ہونے سے کسی کو انکار نہیں لیکن اس سے ایک ایسی چیز ثابت کرنا جس کے نقصان کو بھی نفس مضمون میں تسلیم کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں مولانا علی میاںؒ کی کتاب ''تزکیہ واحسان اور تصوف وسلوک'' بہت بنیادی حیثیت رکھتی ہے، اس مقالہ میں جو اقتباسات نقل کیے گئے ہیں ان میں سے بعض کی روایت اور بعض سے نتائج اخذ کرنے کے سلسلہ میں گفتگو کی جا سکتی ہے مگر یہ اس کا موقع نہیں۔

اس کے بعد اقبالیات کے سلسلہ میں چار مضامین ہیں، ان میں مصنف نے جہاں اقبال کی فکری عظمت کا اعتراف بھر پور طور پر کیا ہے وہیں علمائے جمہور کے موقف کی بھی بڑی خوبی سے ترجمانی کی ہے، اور ایسا لگتا ہے کہ اس سلسلہ میں وہ مولانا علی میاںؒ کے موقف پر قائم اور اسی کے وکیل ہیں، واقعہ یہی ہے کہ اقبال کا جس حیثیت سے مفکر اسلامؒ نے تعارف کرایا ہے اور جس طرح بے باک موقف کا اظہار کیا ہے وہ اقبالیات کا منفرد واقعہ ہے، اس زمرے میں شامل ان کے استدراکات ان کی سلامت فکر اور وسعت نظر کی دلیل ہیں۔

شخصیات پر جو مضامین ہیں وہ بھی خوب ہیں اور ہندستان کی نمائندہ شخصیات پر لکھے گئے ہیں لیکن میرا یہ شکوہ ان مضامین سے بھی نہ دور ہو سکا کہ شخصیات پر جو مضامین لکھے جاتے ہین وہ یا تو صرف مثبت تاثر قائم کرتے ہیں یا منفی، جبکہ ہونا یہ چاہیے کہ شخصیات کا مطالعہ خالی الذہن ہو کر کیا جائے، یہ الگ بات ہے کہ عنوان سے ہی یہ واضح کر دیا جائے کہ مضمون کسی شخصیت کے خاص پہلو پر ہوگا، اسی کو ثابت کرنا ہوگا یا اسی کی تردید کی جائے گی، عام طور پر شخصیات پر لکھے گئے مضامین سے جو تصویر ابھرتی ہے وہ کسی شخصیت کی یک رخی تصویر ہوتی ہے یا یوں کہیے مکمل نہیں ہوتی یا یوں کہا جائے کہ صاحب مضمون کے انفعالات کی آئینہ دار ہوتی ہے، پروفیسر مختار الدین احمد آرزو پر جو مضمون ہے وہ یوں نامکمل معلوم ہوتا ہے کہ ان کے جیسے نامور اس کالر کے عربی میں کیے گئے تحقیقی کام کہاں ہیں، یہ الگ بات ہے کہ الحماسہ البصریہ پر عمر دقاق کا تبصرہ کچھ اور ہی کہانی کہتا ہے، بہرحال ان مضامین میں مثبت انداز فکر، فرط عقیدت اور نقد ونظر سے اعراض ظاہر ہے، اگر چہ اس میں صاحب مضامین کے حسن نیت کو ہی دخل ہے۔

مختصر یہ کہ وارث ریاضی صاحب کا یہ مجموعہ مضامین علمی وادبی اسلوب نگارش کی مثال ہے، بیش قیمت معلومات کا خزانہ ہے، موضوعات کے تنوع کے باوصف اس میں قاری کے لیے بھر پور سامان کشش موجود ہے، اس کا کوئی مضمون افادیت سے خالی نہیں، یہ مجموعہ عام ہی نہیں خاص لوگوں کے لیے بھی اپنے اندر افادات کا خزانہ رکھتا ہے، اہل علم کو اس کا استقبال کرنا چاہیے اور ریاضی صاحب کو مبارکباد دینا چاہیے۔

☆☆☆

نام کتاب: اکیسویں صدی کا چیلنج اور ملی تعلیمی ایجنڈا

مصنف: پروفیسر احمد سجاد

صفحات: ۱۱۲

ناشر: مرکز ادب وسائنس، رانچی

ملنے کے پتے: مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، مکتبہ جامعہ دہلی، بک امپوریم، پٹنہ

۱۱۲ صفحات پر مشتمل یہ کتاب انتہائی اہم مباحث پر مشتمل ہے، اس کی سطر سطر فکری مواد سے لبریز ہے، اگر ایک سطر میں اس کا تعارف کرایا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ پروفیسر احمد سجاد عالمگیر تعلیمی مہم کے تناظر میں علوم اسلامیہ کی تعلیم کو عالمی پیمانے پر پیش کرنے کے خواہاں اور سائنس وٹکنالوجی کو مسلمانوں کے ہاتھ میں دینے کے خواہش مند ہیں، یا یوں کہیے کہ وہ تعلیمی ایجنڈے کو ثنویت سے پاک کر دینا چاہتے ہیں، کیوں کہ وہ اقبال کی اس

حکمت کو گرہ باندھے ہوئے ہیں۔

وہ علم کم بصری، جس میں ہم کنار نہیں
تجلیات کلیم و مشاہدات حکیم

وہ جانتے ہیں کہ خاطر خواہ تبدیلی کے بغیر ہم اور ہمارے ادارے علمی و تعلیمی پیمانے پر عالمی چیلنجز کا جواب نہیں بن سکتے، اقبال نے صحیح کہا ہے،

جہان تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ وخشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

مصنف نے اس کتاب میں علمی وفکری بنیاد پر تجزیہ کرتے ہوئے انقلابی صورت حال کا جائزہ لیا ہے، فکری گمراہیوں کو واضح کیا ہے، اصلاح کے نام پر تخریب، مادہ پرستی اور اس کے ردعمل کو موضوع بناتے ہوئے اور اسلامی تعلیمات اور جدید ترقیات کو ہم آہنگ کرتے ہوئے ایک نئی ملی تعلیمی مہم کا فکری خاکہ پیش کیا ہے، اس سلسلہ میں انہوں نے علی گڑھ تحریک کی نشاۃ ثانیہ کو بھی قابل عمل قرار دیا ہے، ایک نئی اسلامی یونیورسٹی کا خاکہ پیش کیا ہے، علوم اسلامیہ کو نئے تعلیمی انقلاب سے ہم آہنگ کرنے کے طریقے پیش کیے ہیں، اقدار کی تعلیم پر روشنی ڈالی ہے، ملی تعلیمی ایجنڈے کے عنوان سے انہوں نے اہم نکات پر گفتگو کی ہے، اس ضمن میں پیش کردہ خطوط اکثر اصحاب نظر کے نزدیک قابل عمل اور متفق علیہ ہیں مگر ان پر عمل یا تو ہوہی نہیں رہا یا پھر خال خال کہیں کچھ نظر آجاتا ہے۔

کتاب کے مباحث سے جا بجا اختلاف کی گنجائش کے باوصف اس کی ضرورت سے زیادہ افادیت اور علمی شان کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہا جا سکتا، مصنف نے اس کتاب کے ذریعہ اپنے، اسلامی، ملی، تعلیمی اور بلند فکر و بیدار شعور کا ثبوت پیش کیا ہے، ایسا لگتا ہے کہ وہ حکیم مشرق کی انمول حکمتوں کی تہہ میں اتر گئے ہیں اور پھر ان کے اشعار کی سائنسی تشریح کر ڈالی ہے، کتاب میں ایک مقام پر نظر رک گئی، یہ وہ مقام ہے جہاں بہت سے صحیح الفکر لوگ بھی ہنوز خطا پر ہیں یا یوں کہیے کہ اب تک غلط فہمی میں ہیں، مصنف نے تین مہلک والمناک حادثوں کا ذکر کیا ہے جن سے ملت اسلامیہ بیسویں صدی میں دوچار ہوئی اور اس کے اثرات عالمی، ملکی اور ملی سطح پر بہت گہرے پڑے، بقول مصنف اس کے بالمقابل ''تین خوشگوار تاریخی معجزے بھی اس امت مظلوم کے حق میں رونما ہوئے''

۱۔علمی دھماکہ Knowledge Explosion

۲۔انقلاب اسلامی جمہوریہ ایران اور

۳۔سقوط سویت یونین

اس خیال سے ہرگز اتفاق نہیں کیا جا سکتا، ایران کی اسلامی حیثیت ایک الگ بحث ہے مگر وہاں کے جس انقلاب کو اسلامی انقلاب قرار دیا جا تا رہا ہے وہ اسلامی نہیں بلکہ خمینی کا شیعی انقلاب تھا، وہ لوگ بڑے دوررس و دوراندیش تھے جنھوں نے بین السطور اسی وقت پڑھ کر حقیقت کو واشگاف کر دیا تھا، اب تو ثبوت، شواہد، دلائل اور موجودہ منظرنامہ سب اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ شیعی انقلاب تھا اور صہیونی تحریک کے بعد عالم اسلام کے لیے دوسرے مہلک ترین اقدام کی تمہید تھا، جس کے نتائج اب اس طور پر سامنے آرہے ہیں کہ پورا عالم عربی ایران کے ناپاک عزائم کی زد پر ہے اور متعدد ممالک میں اہل سنت ایرانی خنجر سے لہولہان ہیں، اس بنیادی فکر کو صحیح سمت دیے بغیر بہت سے مسائل کا صحیح حل ممکن نہیں، بہرحال یہ اس کتاب کی ایک ضمنی بحث ہے جس سے موضوع کے دیگر پہلوؤں پر بحث کرنے میں تقریباً کوئی خلل نہیں پڑتا، لیکن یہاں اس کا تذکرہ ناگزیر تھا۔

مختصر یہ کہ کتاب اپنے موضوع پر بھرپور ہے، اچھی معلومات کے ساتھ مناسب حل اور خاکے پیش کیے گئے ہیں، ضرورت ہے کہ ایسی بحثوں سے فائدہ اٹھایا جائے اور آگے بڑھتے ہوئے عملی اقدام کیے جائیں، کیوں کہ جب تک تعلیمی تحریک کی اساس وسمت درست نہیں ہوگی تب تک حالات کی تبدیلی ممکن نہیں۔

☆☆☆

آخری صفحہ

عصری تعلیم اور علماء مدارس کا کردار

(م۔ق۔ن)

قوموں کی تعمیر اور ترقی میں تعلیم کی اہمیت سب سے زیادہ ہے، جنگِ آزادی میں مدارس نے اہم رول ادا کیا اور آزادی کے بعد تعلیم کے میدان میں بھی مدارس اسلامیہ کا اہم کردار اور رول رہا، آزاد ہندستان کے سب سے پہلے وزیر تعلیم ایک دینی مدرسہ کی پیدوار تھے جنہوں نے اپنے عہدہ اور منصب کے لحاظ سے آزاد ہندستان کے تعلیمی نظام کی مضبوط بنیاد رکھی۔

اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے اور اس سچائی کو کون فراموش کرسکتا ہے؟ کہ مولانا آزاد نے ہی اپنی عبقری اور خداداد صلاحیت ولیاقت نیز اپنی وھبی ذہانت سے ہندستان کے تعلیمی نظام کو جو بنیاد فراہم کی، آج وہ بنیادی طور پر اسی نہج اور ان ہی خطوط پر قائم ہے۔

یوجی سی (یونیورسٹی گرانٹ کمیشن) بھی مولانا آزاد کی اعلیٰ ذہانت کا عطیہ ہے، جس وقت مولانا نے اس کی بنیاد رکھی اس وقت برطانیہ میں بھی اس کا تصور نہیں تھا بعد میں اہلِ مغرب نے بھی اس کی نقالی کی۔

علی گڑھ مسلم یونیوسٹی علی گڑھ، جامعہ ملیہ اسلامیہ، جامعہ ہمدرد، کشمیر یونیورسٹی کے بنیادی بانی اور مؤسس بھی مدرسہ ہی کے فارغین تھے۔

سرسید احمد خاں کی تعلیمی میدان میں جو خدمات ہیں اس سے ہم سب واقف ہیں، ان کی پوری تعلیم وتربیت مدارس کی دین ہے، ہمدرد کے بانی حکیم عبدالحمید صاحب کہا کرتے تھے۔ کہ دوران تعلیم کسی اسکول کا منہ نہیں دیکھا، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد اور کشمیر یونیورسٹی سری نگر میں زمانہ تک شوریٰ میں کوئی غیر عالم نہیں ہوتا تھا۔

الغرض ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مدارس کے ان فارغین نے عالمی سطح پر ملک کا وقار بڑھایا ہے، تنہا مولانا علی میاں ندویؒ کو شاہ فیصل ایوارڈ سے دنیا بھر میں یونیورسٹیوں میں ۴۲ لوگوں نے ان کی زندگی پر ریسرچ کا کام مکمل کیا۔ اس حوالہ سے ان کا نام عالمی ریکارڈ بک میں شامل کرنے کے لائق ہے۔

آج بھی ہندستان میں بہت سے عصری ادارے ہیں جن کی سرپرستی علماء مدارس کررہے ہیں اور اپنی نگرانی میں ان کی جدید اداروں کو بحسن خوبی چلارہے ہیں۔ جیسے انٹی گرل یونیورسٹی لکھنؤ جس کے چانسلر حضرت مولانا ڈاکٹر سعیدالرحمٰن اعظمی ندوی صاحب ہیں۔

اسی طرح جنوبی ہندستان میں بہت سے ادارے ہیں جن کی سرپرستی علماء مدارس کررہے ہیں۔

خود امارت شرعیہ اور جمعیت علما ہند کے زیر نگرانی آئی ٹی آئی اور متعدد ٹیکنکل ادارے چل رہے ہیں۔

ہندستان کی بعض مساجد کے ماتحت ریسرچ، اور ٹیکنکل شعبے ہیں جو علماء کی نگرانی میں چل رہے ہیں۔ مدارس میں مکہ مسجد اس کی بہترین مثال ہے، اور بنگلور میں جامع مسجد سٹی بنگلور بھی اس کی زندہ مثال ہے۔

یہ تفصیلات راقم السطور نے تحدیث نعمت کے طور پر شمار کرایا ہے اس لئے کہ آج کی جدید نسلوں میں علماء دین اور علماء مدارس کی ناقدری عام ہے، اور اکثر اوقات جدید طبقہ کی طرف سے اس طرح کی باتیں آتی ہیں کہ مدارس سے کیا فائدہ علماء مدارس کے کیا کارنامے ہیں؟ ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے اور جدید نسلوں کو حقیقت سے آگاہ کرنے کے لئے یہ چند سطور پیش کی گئی ہیں۔

☆☆☆